

# لنکن نے کہا

# لنکن نے کہا

مترجم

بشیشور پرشاد منور لکھنوی

انڈین اکیڈمی، ۲۹، نریندر اپلیس، نیودہلی

بار اول

قیمت ... تین روپے



مطبوعہ

محبوب المطابع، دہلی

# فہرست مضامین

| نمبر شمار | موضوع | صفحہ نمبر |
|---|---|---|

••

# لنکن نے کہا

دل میں کسی کی طرف سے میل نہ رکھئے، ہمدردی اور محبت کا دروازہ سب پر کھلا رہے۔ حق پر مضبوطی سے قائم رہئے، کیونکہ خدا نے ہمیں حق بینی کی توفیق عطا کی ہے۔ آیئے جس کام میں ہم ہاتھ ڈال چکے ہیں اس کو پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کریں قوم کے زخموں کی مرہم پٹی کیجئے جس شخص نے جنگ میں حصہ لیا ہو اس کی دیکھ بھال کیجئے، اس کی بیوہ کی خبر لیجئے، اس کے یتیم بچوں پر نظر رکھئے۔ غرضیکہ ہر ایسا کام کیجئے جس سے ہم خود اپنے درمیان اور تمام دوسری قوموں کے ساتھ امن قائم کرسکیں اور اس کو پروان چڑھائیں۔ لیکن یہ امن انصاف پر مبنی اور ساتھ ہی ساتھ پائدار بھی ہو۔

ابراہم لنکن ۴ مارچ ۱۸۶۵ء

# ابراہم لنکن کو وزیراعظم جواہرلال نہرو

# کا

# خراج تحسین

جو

یو۔ایس۔آئی۔ایس ریڈیو ٹیلی وژن سکشن کی طرف سے وائس آف امریکہ کیلئے مسٹر نہرو کی جائے سکونت پر ۱۲ مئی ۱۹۵۹ء کو ریکارڈ کیا گیا۔

ہم لوگ ممتاز اور نامی انسانوں کے گُن گاتے ہیں انہیں بڑا کہتے ہیں اور بعض مرتبہ اس سلسلے میں ان کی انتہائی تعریف کرتے ہیں۔لیکن ایک زمانہ آتا ہے جب ان ممتاز اور نامی انسانوں کی مبہم سی یاد باقی رہ جاتی ہے اور صرف مورخوں کا یہ کام رہ جاتا ہے کہ ان کے تذکرات قلم بند کیا کریں۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں جس کا درجہ ان عام لوگوں سے جنہیں ہم بڑا کہتے ہیں کہیں زیادہ بلند و برتر ہے، ہم کیا کہیں اور اس کے لئے کیا الفاظ استعمال کریں۔اس کے لئے الفاظ مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں کیونکہ جو لوگ صحیح معنوں میں بڑے آدمی ہوتے ہیں انہوں نے ہمیں صرف ذہنی طور پر ہی نہیں بلکہ جذباتی طور پر بھی ابھارا ہے۔تمام بنی نوع انسان کو متحرک کیا ہے اور چونکہ انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کو جذباتی طور پر متاثر کیا ہے۔یہ لوگ عالمی بیداری اور انسانی حافظے کا جزو بن گئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ابراہم لنکن ایسے ہی چند برگزیدہ ترین انسانوں میں تھے جو

عالمی بیداری کا جزو بن چکے ہیں۔ ان کی زندگی کے کچھ آدرش تھے یہ آدرش آجتک دنیا کا عزیز ورثہ ہیں۔ دنیا عملی طور پر ان آدرشوں کے مطابق چلنا بھی چاہتی ہے۔ اگرچہ اس کو کامیابی بہت کم حاصل ہوتی ہے۔

اس لئے ابراہم لنکن کے بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ہم ان کے بارے میں جتنا جتنا سوچتے ہیں، ان کو یاد کرتے ہیں۔ ہمارے دل و دماغ میں جذبات کا ایک تلاطم سا برپا ہو جاتا ہے۔ ان کی ہستی عام سطح کے انسانوں سے کہیں زیادہ بلند ہے پھر بھی ابراہم لنکن ایک انسان تھے، ان کی ذات عجیب وغریب خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ وہ لڑائی میں عملی طور پر حصہ لینے والے سپاہی تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی ذہنی سطح میدان جنگ سے بہت زیادہ اونچی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جو بھی آدرش مقرر کئے تھے ان کے لئے انہوں نے خود کو سرگرمی اور صدق دلی کے ساتھ وقف کر رکھا تھا۔ وہ انہیں کی تکمیل میں لگے رہتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ان میں متانت بھی تھی۔ وہ صبر وتحمل سے کام لیتے تھے فتح ہو خواہ شکست کسی واقعہ کا بھی ان پر بہت زیادہ اثر نہیں پڑتا تھا۔

ہمارے ملک ہندوستان کی کہانیوں اور رزمیہ نظموں میں ہمیشہ یہ بتایا گیا ہے کہ بڑا آدمی وہی ہے جو عمل میں مصروف رہے، پھر بھی اس سے ماورا ہو۔ بلند ہو۔ وہ عمل کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ خود عمل پر حاوی رہتا ہے۔ فتح حاصل ہو خواہ شکست کا منہ دیکھنا پڑے وہ ہر حال میں یکساں رہتا ہے لنکن نے بہت بڑی حد تک اس آدرش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے ان میں کچھ ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا چرچا اکثر وبیشتر ان کی پیدائش کے ڈیڑھ سو سال بعد آج بھی دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً آزادی کا تصور، انفرادی آزادی کا تصور اور جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک مشہور خطبہ میں فرمایا تھا۔ ایک ایسی قوم کا تصور جس کے ضمیر وخمیر میں حریت کا جذبہ پیوست ہو اور جو خود کو اسی تحریک اور اسی نظریئے کے لئے وقف کر چکی ہو کہ سب انسان برابر ہیں اور ہمیں امید ہے کہ صرف ایک ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر قوم کے ضمیر وخمیر میں حریت کا جذبہ موجود ہوگا اور وہ خود کو ہر طرح سے اس مقصد کے لئے وقف کر دے گی، اس کے لئے پوری لگن سے کام کرے گی۔

ہم جانتے ہیں کہ لنکن اپنے آدرشوں کے لحاظ سے ایک فاتح اعظم تھے لیکن دنیا میں ان آدرشوں کو ابھی تک مکمل طور پر عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا ہے۔ اس سلسلے میں بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ اسی لئے دنیا میں جنگ برابر جاری ہے۔ یہ جنگ بیشتر ہتھیاروں کی جنگ نہیں یہ وہ جنگ ہے جو ہر وقت دل و دماغ میں جاری رہتی ہے اور جب ان لوگوں کے دلوں میں جو آزادی کے لئے اس جنگ میں شریک ہوتے ہیں، لنکن کا خیال آتا ہے تو ان کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ لوگ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے جو انہیں پیش آتی رہتی ہیں خود کو نسبتاً زیادہ توانا اور طاقتور محسوس کرنے لگتے ہیں۔

لنکن صرف امریکہ ہی کے رہنمائے اعظم نہیں تھے، ان پر تمام دنیا کا حق ہے، وہ تمام دنیا کے مرد اعظم ہیں، ہیرو ہیں، ان کا شمار تو ایسے نہایت درجہ برگزیدہ بڑے آدمیوں میں ہے جن سے لاکھوں انسانوں کو تحریک عمل ملی ہے اور اب تک ملتی رہتی ہے۔

اسی لئے میں اس موقع پر ان کی یاد میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ امید کرتا ہوں کہ جو بہت سی باتیں انہوں نے کئی اہم مواقع پر ارشاد فرمائی ہیں، تمام دنیا کے باشندے انہیں یاد رکھیں گے اور ان سے ان کو بڑے بڑے معرکے سر کرنے کا حوصلہ ملے گا۔

••

# سوانح عمری

## ابراہم لنکن ہر دور کے انسان ہیں

### نوشتہ۔ پال، ایم، اینگل

شکاگو ہسٹاریکل سوسائٹی (شکاگو کی انجمن تواریخ) کے ڈاکٹر پال ایم اینگل کا شمار ابراہم لنکن کی زندگی اور ان کے اسلوب حیات کے بارے میں علم رکھنے والے سربرآوردہ مستند مورخوں میں ہوتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں: "نیو لیٹرز اینڈ پیپرز آف لنکن"، "لنکن ۱۸۵۴ء سے ۱۸۶۱ء تک" "اے شلف آف لنکن بکس"، آپ کی مشہور تحلیقات ہیں۔ اس کے علاوہ اور کئی کارنامے ہیں۔ آپ نے مقبول عام جریدہ "لنکن ریڈر" کی ادارت بھی فرمائی ہے۔

•

تمام دنیا پر یوروپ کا سکہ جما ہوا تھا اور یوروپ میں نپولین کا طوطی بول رہا تھا فرانس کے اس شہنشاہ نے زار روس اور پروشیا کے بادشاہ کو اپنے ساتھ نہایت درجہ ذلت آمیز اتحاد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی فوجیں ہسپانیہ اور پرتگال پر ٹڈی دل کی طرح چھائی ہوئی تھیں جس سے براعظم یوروپ میں اس کی حکومت کی آخری مزاحمت کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا صرف انگلستان اس کے سامنے سر اطاعت خم کرنے سے انکار کرتا رہا، برابر مقابلے پر ڈٹا رہا لیکن اگرچہ جزیرے میں رہنے والی اس قوم کا تسلط سمندروں پر ابھی تک قائم تھا پھر بھی اس کی فیصلہ کن فتح کے امکانات کم نظر آتے تھے۔

وہ زمانہ تھا ۱۸۰۹ء کا مہینہ تھا فروری کا۔

یورپ کی جنگ کا ریاستہائے متحدہ کی بحری تجارت پر نہایت درجہ تباہ کن اثر پڑا تھا لیکن اس جواں سال قوم نے جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ امریکہ کے تیسرے پریذیڈنٹ ٹامس جیفرسن اپنے عہدے کی دوسری چار سالہ میعاد ختم کر رہے تھے اور وہ اس عہدے کو جیمز میڈیسن کے سپرد کرنے والے تھے۔

یونین کی اصلی ریاستوں کی تعداد تیرہ سے بڑھ کر اٹھارہ ہو گئی تھی۔ اس کے ستر لاکھ باشندوں میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو ابھی تک بحر اوقیانوس کے ساحل پر آباد تھے۔ حالانکہ ہر سال ہزاروں اشخاص مغرب کی جانب بڑھتے چلے جاتے تھے اور اس زرخیز و شاداب خطے پر قابض ہو گئے تھے جو کوہستان اپلی چیتی سے ماوراء واقع تھا۔ اس خطے میں تین اور نئی ریاستیں پہلے ہی قائم ہو چکی تھیں۔ مزید ریاستیں قائم ہونیوالی تھیں۔

ان نئی ریاستوں میں قدیم ترین ریاست کنٹکی کی تھی جو دریائے اوہیو کے جنوب میں واقع تھی اور جس کی حدیں دریائے مسی سیپی تک پہنچتی تھیں۔ جس خطے میں ریاست کنٹکی واقع تھی وہ ایک زرخیز خطہ تھا۔ مدتوں سے یہ انڈینوں[1] کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یہاں جنگلوں سے بھری ہوئی پہاڑی اطراف اور پر گیاہ وادیوں میں شکار بہت ملتا تھا۔ امریکہ کے ابتدائی رہنماؤں کی نگاہ میں تو یہ خطہ فردوس بریں تھا۔ ۱۸۰۹ء میں اس کی حدود کے اندر چار لاکھ مرد، عورتیں اور بچے رہتے تھے پھر بھی ریاست کی آبادی کم ہی تھی۔ بڑے شہر معدودے چند تھے بیشتر آبادکار جھونپڑوں میں رہتے تھے جو لکڑی کے بھدّے مکانات ہوتے تھے۔ یہ مکانات ان لوگوں نے اپنے رہنے کے لئے بنائے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں جن میں جا بجا ٹھنٹھ لگے ہوئے تھے وہ اپنے اور اپنے مویشیوں کے لئے باجرے کی کاشت کرتے تھے۔ ان مویشیوں میں عام طور پر ایک گھوڑا ہوتا تھا ایک گائے ہوتی تھی اور چند سور ہوتے تھے۔ اپنے

---

[1] انڈین سے مراد ہے امریکہ کے وہ قدیم باشندے جنہیں کولمبس نے اپنے سفر امریکہ میں اس نام سے موسوم کیا تھا۔

جسم کے کچھ حصے کو وہ شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالوں سے ڈھانپتے تھے۔ ان جنگلوں میں شکار بڑی کثرت سے ملتا تھا۔ کچھ حصہ جسم پر اونی کپڑے ہوتے تھے اور یہ کپڑے عورتیں اس اون سے تیار کرتی تھیں جو وہ خود ہی کاتتی اور خود ہی بنتی تھیں۔ ان کے پاس روپیہ کم تھا اور ان کو اس کی ضرورت بھی بہت کم پڑتی تھی۔ ان کے مکان انہیں سردی وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی تھے اور ان کے پاس کھانے کے لئے غذا کثرت ہوتی تھی۔ ان کے پاس ذاتی زمینیں تھیں وہ اپنی اراضی کے مالک ہوتے تھے۔ اپنی حکومت خود آپ چلاتے تھے اور ان کو اپنی اس آزادی اور خود مختاری پر ناز تھا۔

ایک اسی قسم کے فارم میں جو ریاست کے شمالی وسطی حصے میں واقع تھا ابراہم لنکن کی پیدائش ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء کو ہوئی۔ ان کے باپ ٹامس لنکن کنٹکی میں اس وقت لائے گئے تھے جب ان کی عمر صرف چار سال کی تھی۔ یہیں وہ سن بلوغ کو پہنچے اور یہیں ان کی شادی جوان سال نینسی ہینکس کے ساتھ ہوئی۔ ان کے ایک لڑکی پہلے ہی پیدا ہو چکی تھی جس کا نام سارا تھا۔ ابراہم کے بعد ان کے یہاں ایک لڑکا اور پیدا ہوا جو زمانۂ شیر خواری ہی میں چل بسا۔

ابراہم کے ماں اور باپ دونوں نے کبھی مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ صرف ان کے باپ دستخط کرنا جانتے تھے۔ مگر دونوں نے دل میں طے کر لیا تھا کہ ان کی اولاد کو وہ مواقع ضرور حاصل ہونا چاہئیں جو خود ان کو نصیب نہیں ہو سکے تھے۔ جب جہاں گرد معلموں نے مدرسے جاری کئے تو سارا اور ابراہم دونوں مدرسے جانے لگے۔ لیکن یہ مدرسے بمشکل زیادہ دنوں چلتے۔ مدرسے میں پڑھنے پر روپیہ خرچ ہوتا تھا اور اپنے پڑوسیوں کی طرح لنکن گھرانے میں بھی اس جنس کی کمی تھی۔

جب ابراہم کی عمر سات سال ہوئی تو یہ گھرانہ کنٹکی سے دریائے اوہیو کے اس پار جنوبی مغربی انڈیانا میں چلا گیا۔ ٹامس لنکن کو اپنے فارم کے حق ملکیت کے سلسلے میں کچھ پریشانی تھی کچھ دشواریاں درپیش تھیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک آزاد

سرزمین میں آباد ہونا زیادہ بہتر سمجھا۔ جہاں غلامی ناجائز تھی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کنٹکی میں حبشیوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن ان کو غلام بنا کر رکھا جا سکتا تھا۔ انڈیانا میں یہ بات نہیں تھی یہاں ان کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا تھا۔

بہرحال ان کا یہ نیا وطن ایک ایسے خطے میں واقع تھا جو ان کے ترک کردہ وطن کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ نیا تھا اور یہاں بہیمیت بھی زیادہ تھی۔ جن گھنے جنگلوں میں رہنا انہوں نے پسند کیا تھا ان میں گلہریوں، امریکی ریچھوں اور دوسری قسم کے ریچھوں کی بھی بڑی کثرت تھی۔ مکان بنانے اور کاشتکاری کرنے کی غرض سے جگہ نکالنے کے لئے درخت کاٹنا پڑتے تھے۔ پاس پڑوس میں ایسے بہت کم لوگ تھے جن سے کچھ مدد ملتی۔ اس لئے بچوں کو بھی اپنی بساط بھر کام میں ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ کنٹکی کے بمقابلہ یہاں زندگی زیادہ دشوار گزار تھی۔ محنت بہت کرنا پڑتی تھی۔

جلد ہی اس صعوبت میں رنج و الم کا اضافہ بھی ہو گیا۔ پڑوس میں بیماری پھیل گئی اور نہ جانے کتنے آباد کار موت کا شکار ہو گئے۔ نینسی لنکن کو بھی موت نے نہ چھوڑا۔ نینسی کی وفات سے گھر کی ساری خوشی رخصت ہو گئی۔ اکثر بچوں کی تن پوشی بھی اچھی طرح نہ ہو پاتی۔ کھانے کو ٹھیک نہ ملتا مگر کسی نہ کسی طرح بندوبست چلتا رہا۔ حتیٰ کہ ان کے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ ان بچوں کی نئی ماں سارا بش جانسٹن ایک بیوہ تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے پہلے خاوند سے کئی بچے بھی تھے۔ وہ اپنے ساتھ فرنیچر بھی کافی لائیں جس سے گھر میں کافی رونق ہو گئی اور بڑا آرام ملنے لگا۔ وہ لنکن کے بچوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتیں اور ان کی ہر طرح سے مدد کرتی تھیں۔ بچے بھی اپنی نئی ماں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے، ان سے ان کو محبت ہو گئی تھی۔

دونوں بچوں میں سے کسی کو بھی کھیلنے کے لئے زیادہ وقت میسر نہیں ہوتا تھا۔ ابراہیم لنکن غلہ کے پک جانے پر اس کو چھوڑتے، گایوں کو دانہ پانی دیتے، دودھ دوہتے ایندھن کے لئے لکڑی اور قریب کے ایک چشمے سے پانی لاتے۔ جب کچھ عمر بڑھی تو وہ خاص طور پر کلہاڑی سے کام لیتے، درخت لگانے کے لئے زمین صاف کرتے

چار دیواری کے لئے لکڑی کی بیڑیاں کاٹتے اور ایندھن کے لئے بھی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے۔ وہ بہت مضبوط بہت توانا ہو گئے۔ تمام زندگی ان میں اتنی طاقت رہی کہ کلہاڑی کو اس کے دستے کے آخری سرے سے پکڑتے اور سامنے ہاتھ پھیلا کر تھامے رہتے۔ یہ کمال ایک طاقت ور انسان ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

کنٹکی کی طرح انڈیانا میں بھی لنکن مدرسے بھیجے جانے لگے مگر بہت زیادہ نہیں تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے۔ ان کی ساری درسی تعلیم ایک سال سے زیادہ نہیں ہوئی۔ پھر بھی اس زمانے میں ان کو جوڑ، باقی، ضرب تقسیم کا طریقہ آگیا اور وہ پڑھنا بھی سیکھ گئے۔ پڑھنے میں انہوں نے خاصی ترقی کی۔ ایسپ فیبلز اور رابن سن کروسو سے ابتدا کر کے انہوں نے جارج واشنگٹن کی سوانح عمری، ریاستہائے متحدہ کی تواریخ، انجیل مقدس، قوانین انڈیانا غرضکہ ایسی سب کتابیں پڑھ ڈالیں جو ان کو ان چند ابتدائی گھرانوں سے دستیاب ہوئی تھیں جو وہاں آباد تھے۔ اس طرح خود ہی مطالعہ میں منہمک ہو کر انہوں نے باقاعدہ تعلیم کی کمی پوری کر لی جو کچھ پہلے نہیں پڑھ سکے تھے۔ انہوں نے اب پڑھ لیا۔

جب تک لنکن انیس سال کے نہیں ہو گئے، ان کو اس خطے کے علاوہ جس میں وہ رہتے تھے باقی دنیا کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا لیکن ۱۸۲۸ء کے موسم بہار میں انہیں ایک خانہ ساز چپٹی کشتی پر سوار ہو کر اور اپنے ہمراہ ایک اور نوجوان کو ساتھ لیکر ایک دور دراز شہر نیو اورلینز جانا پڑا جہاں فارم کی پیداوار زیادہ منافع سے فروخت ہو سکتی تھی۔ روز بروز کشتی وسیع دریائے اوہیو اور اس سے بھی زیادہ وسیع مسی سپی دریا میں رواں دواں چلی جاتی تھی اور اس دوران میں دونوں کشتی سواروں کے دیکھنے میں نئے نئے نظارے، پر تکلف دریائی اسٹیمر اور راستے بڑے بڑے قصبے اور شہر آئے جو اس سے پیشتر کبھی خواب میں بھی نہ دکھائی دیئے ہوں گے۔ نیو اورلینز جنوب کا ایک شاداں و فرحاں سو فسطائیت زدہ بہت بڑا شہر تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب لنکن کو یہاں بہت بڑی تعداد میں

غلام نظر آئے۔

دو برس بعد ٹامس لنکن نے پھر نقل سکونت کا فیصلہ کیا۔ اس مرتبہ وہ الی نوائس کی ریاست میں پہنچے جو انڈیانا کے عین مغرب سمت واقع تھی۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ یہاں کی زمین گہری اور کالی ہے۔ اس میں درخت نہیں ہوتے اور یہاں محنت کم کرنا پڑے گی اور پیداوار زیادہ دستیاب ہوگی۔ ۱۸۳۰ء کا موسم بہار ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ اس خاندان نے اپنا سارا مال و اسباب اور دیگر آلات و اوزار گاڑی میں لاد دیئے۔ یہ ایک سست رو گاڑی تھی جس میں بیل جتے ہوئے تھے۔ اس کا گاڑی بان ٹامس لنکن کا بیٹا تھا۔ اس طرح یہ خاندان اپنے نئے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دو ہفتوں کے بعد یہ قافلہ ڈکاتور کے موجودہ شہر سے مغرب جانب دس میل دور ریاست کے وسطی حصے میں دریائے سینگامن کے کنارے رکا۔ وہاں پہونچکر انھوں نے ایک مرتبہ پھر اپنا جھونپڑا بنایا، چہار دیواری کے لئے لکڑی کی پٹریاں کاٹیں اور غلہ بو دیا۔

اب لنکن ۲۲ سال کے ہو گئے تھے، وہ بالغ ہو چکے تھے۔ ان کو اپنی مرضی، اپنی پسند کے مطابق کام کرنے کی آزادی تھی۔ وہ ایک سال تک اپنے ماں باپ کے ساتھ رہے، نئے گھر کے بسانے میں ان کی مدد کی اور پھر اپنی زندگی کی عمارت تعمیر کرنے کی غرض سے انھوں نے گھر سے باہر قدم نکالا۔ ایک چپٹی کشتی پر سوار ہو کر جب انھوں نے دوبارہ نیو اورلینز کا سفر کیا تو پھر نیو سلیم میں آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا نیو سلیم دریائے سینگامن کے کنارے الی نوائس کا ایک گاؤں تھا جہاں پندرہ یا بیس خاندان چوبی جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ یہاں آ کر وہ جنرل اسٹور میں کلرکی کا کام بھی کرنے لگے اور غلہ کی چکی میں بھی۔ اسی طرح وہ اپنا پیٹ پالتے رہے، یہ چکی اسٹور کے مالک نے چلا رکھی تھی۔

نیو سلیم کے باشندے اس نوجوان نو وارد کو پسند کرتے تھے۔ لنکن ان کی نگاہوں میں چڑھ گئے۔ وہ سب سے دوستانہ ملتے، صاف گوئی اور ایمانداری

سے کام لیتے، ان کے بے تکلفانہ انداز اور ان کے قد کی عجیب و غریب درازی میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس کی طرف سب کا دل کھنچ جاتا تھا جو سب کو مرغوب معلوم ہوتی تھی۔ ان کا قد چھ فٹ اور چار انچ تھا۔ ان میں بڑی بذلہ سنجی تھی۔ لطیفہ گوئی میں بھی طاق تھے۔ امریکہ کے تمام باشندگان سرحد کی طرح یہاں کے دیہات میں رہنے والے بھی جسمانی طاقت کو بہت بیش قیمت چیز سمجھتے تھے۔ جب لنکن نے پڑوس کے ایک پہلوان کو کشتی میں پچھاڑ دیا تو لوگوں نے انہیں کو جو اس مقام پر نووارد تھے، جماعت کا پیشوا تسلیم کر لیا، انہیں کو سربرآوردہ قرار دیدیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد انڈین سردار بلیک ہاک کے ساتھ لڑائی چھڑ گئی تو مقامی فوجی کمپنی نے لنکن کو کپتان چن لیا۔

اس معرکے کے ختم ہوتے ہی لنکن ریاست کی انجمن آئین ساز کی ممبری کے لئے امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے۔ عوامی عہدہ حاصل کرنے کی اپنی اس پہلی کوشش میں ان کو شکست ہوئی۔ لیکن ان کو یہ جان کر بڑی تشفی ہوئی، بڑا اطمینان حاصل ہوا کہ نیو سیلیم کے قریب قریب تمام اشخاص نے اپنے جماعتی تعلقات کا کچھ لحاظ نہ کیا اور ووٹ لنکن ہی کے حق میں دیئے۔

لیکن جلد ہی لنکن کو اس سنگین حقیقت سے دوچار ہونا پڑا کہ محض ہر دلعزیز ہونے سے انسان کو روٹی کپڑا میسر نہیں آسکتا۔ انڈینوں سے جنگ ابھی تک شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ جس اسٹور میں وہ کام کرتے تھے اس کا کاروبار بیٹھ گیا۔ اب انہوں نے خود اپنا اسٹور جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک اور شخص کو اپنا شریک کار بنا کر سامان ادھار مول لے آئے۔ لیکن ان کا یہ کام بھی نہیں چل سکا جس سے وہ مقروض ہو گئے اور اس قرضے کے ادا کرنے میں ان کو کئی سال لگ گئے۔ پھر خوش قسمتی اور نیک نامی ان کے آڑے آئی اور وہ پوسٹ ماسٹر ہو گئے۔ اس ملازمت سے انہیں تنخواہ کم ملتی تھی لیکن مختلف اور کاموں سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے ان کا گزارا ہو جاتا تھا۔ اسی زمانے میں لنکن کو ڈپٹی کاونٹی سرویر کا عہدہ پیش کیا گیا۔ اکثر آباد کار فارم بنانے اور شہر آباد کرنے

کے لئے زمین خرید رہے تھے اور اسی لئے ایسے پیمائش کنندوں کی مانگ ہونے لگی جن کو صحیح حدیں قائم کرنے کے کام میں مہارت حاصل ہو۔ لنکن کو فن پیمائش سے بالکل واقفیت نہ تھی لیکن اس کام کا جو معاوضہ ملتا تھا اس سے ان کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے یہ کام سیکھنے کا فیصلہ کر لیا وہ سمجھتے تھے کہ ان کو یہ کام آجائے گا۔ اس موضوع پر ایک کتاب ان کے ہاتھ لگ گئی اور گاؤں کے ایک مدرس کی مدد سے انہوں نے اس موضوع پر عبور حاصل کر لیا۔

اس سے پیشتر لنکن کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ جب تک ان کی تعلیمی کمی پوری نہ ہوگی ان کو زندگی بھر کبھی کہیں ملازمت کرنا پڑے گی اور کبھی کہیں۔ اس طرح گویا انہیں تلاشِ روزگار کے سلسلے میں ادھر ادھر مارا مارا پھرنا پڑے گا۔ اب انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہونچے کہ انہیں سب کام چھوڑ کر پہلے صحت کے ساتھ بولنا اور لکھنا سیکھ لینا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے لئے قواعد کا پڑھنا لازمی ہے۔ ان کو زبان کی ساخت کا علم ضرور ہونا چاہئے۔ اب ان کو ایک درسی کتاب مل گئی اور انہوں نے خود اپنی کوشش سے اس کا مطالعہ کیا کچھ مدد مدرس سے بھی لی حتیٰ کہ ان کا مقصد پورا ہو گیا۔

علم قواعد اور علم پیمائش پر عبور حاصل ہونے سے لنکن کا حوصلہ بڑھ گیا۔ جب وہ شروع شروع میں نیو اوریلنز میں آکر آباد ہوئے تھے تو ان کو قانونی پیشہ اختیار کرنے کا خیال ہوا تھا لیکن آخر میں انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کے لئے ان کی تیاری بہت کم تھی مگر اب انہوں نے معاملے پر پھر غور کیا۔ ایک وکیل جان اسٹوارٹ نے جنہوں نے ان کے ساتھ بلیک ہاک کی جنگ میں کام کیا تھا، ان کی ہمت بڑھائی اور انہوں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ عارضیاً کتابیں لینے کے لئے اکثر انہیں بیس میل کا طول طویل سفر کر کے اسپرنگ فیلڈ جانا پڑتا تھا۔ اسٹوارٹ یہیں رہتے تھے۔ ان کے زمانے میں قانونی مدرسے بہت کم تھے اور اکثر قانون پیشہ اشخاص بنیادی کتابیں پڑھ پڑھ کر اس پیشے کے لئے تیاری کرتے تھے۔ لنکن نے بھی ایسا ہی کیا۔

اپنی پہلی کوشش کے دو سال بعد ۱۸۳۴ء میں لنکن ایک مرتبہ پھر ریاستی قانون ساز انجمن کی ممبری کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔ اس مرتبہ انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد جب انہیں شکست ہوئی انہوں نے اپنی قانون کی کتابیں اٹھا کر طاق پر رکھ دیں اور گاڑی پر سوار ہو کر وینڈیلیا روانہ ہو گئے جو اس زمانے میں ریاست کا دارالخلافہ تھا۔ اس کے بعد دس ہفتے تک وہ اہل نوائش کے سربرآوردہ اصحاب سے ملتے جلتے رہے۔ انہوں نے ان لوگوں سے مباحثہ کرنے کا طریقہ سیکھا، اور وہ قانون سازی کے طریقے سے واقف ہو گئے۔ جب سشن ختم ہو گیا تو پھر نیو سلیم واپس آ گئے۔ اس مرتبہ پچھلے چند ہفتوں کے بمقابلہ انہیں دنیاوی معاملات میں زیادہ دانائی حاصل ہو گئی تھی۔

۱۸۳۶ء میں لنکن دوبارہ منتخب ہوئے اور ان کی ہر دلعزیزی نیز قابلیت کی بدولت انہیں دہگ۔ پارٹی نے قانون ساز جماعت میں اپنا لیڈر چن لیا۔ یہ پارٹی اقلیت میں تھی۔ بایں ہمہ ایک مرتبہ جب قانون سازی کے سلسلے میں ایک معاملہ ایسا پیش آیا جس میں اسپرنگ فیلڈ کو دارالخلافہ بنانے کا سوال درپیش تھا تو جیت لنکن کی ہوئی، اور جہاں تک غلامی کے مسئلہ کا تعلق ہے اس سشن میں ان کو ایک تاریخی حیثیت حاصل کرنے کا موقع بھی ہاتھ آ گیا۔ جب قانون ساز جماعت نے یہ قرارداد منظور کی کہ فیڈرل آئین کی رو سے ان ریاستوں کی نظر میں جن میں غلام رکھے جاتے ہیں، غلاموں کو بطور ملکیت رکھنے کا حق ایک متبرک حق ہے اور انہیں ان کی رضامندی کے بغیر اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت لنکن نے اور ایک دوسرے ممبر نے اختلافی رائے پیش کر دی۔ اگرچہ ان دونوں حضرات کو قرارداد سے عام طور پر اتفاق تھا پھر بھی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان کا یہ ایمان، یہ یقین بھی معرض تحریر میں لے آیا جائے کہ غلامی کا دستور بے انصافی اور نیز بوں حکمت عملی ان دونوں باتوں کی بنیاد پر قائم ہے۔

لنکن اب قانون پیشہ جماعت کے ایک رکن تھے۔ سشن کے ختم ہوتے ہی

وہ نیو سلیم سے اسپرنگ فیلڈ چلے آئے۔ نیو سلیم میں جو تھوڑی بہت آبادی تھی، اب وہ گھٹنے لگی۔ لیکن جدید دارالخلافہ اسپرنگ فیلڈ روبہ ترقی تھا اور یہاں ایک قانون پیشہ شخص کے لئے کامیابی کے بکثرت مواقع مہیا تھے۔ ان کے دوست نے ان کو شریک کار بنا لیا۔

اس طرح ۲۸ سال کی عمر میں لنکن نے ایک نئی جگہ ایک نئے پیشے میں قدم رکھا۔ اب ان کے سامنے ایک اور مسئلہ تھا یعنی یہ کہ کیا انہیں کنٹکی کی ایک نوجوان خاتون مس میری اوونز کے سامنے اپنی شادی کی تجویز پیش کرنا چاہئے جن کے ساتھ وہ اپنے خیال میں تقریباً ایک سال سے محبت کر رہے تھے۔ تجویز انہوں نے پیش کی مگر مسترد کر دی گئی۔ اب ان کی توجہ کنٹکی ہی کی ایک اور خاتون مس میری ٹاڈ کی طرف مائل ہوئی۔ یہ خاتون اسپرنگ فیلڈ آئی ہوئی تھیں اور مزید کچھ دنوں کے لئے ٹھہر گئی تھیں۔ تقریباً ۱۸۴۰ء میں ان دونوں کی شادی طے ہو گئی۔ چند ہی ماہ بعد یہ نسبت منقطع ہو گئی جس کے اسباب آج تک صیغہ راز میں ہیں لیکن ۱۸۴۲ء میں ان کے اختلافات دور ہو گئے اور اسی سال نومبر کی چوتھی تاریخ کو ایک کلیسائی پادری کے مکان پر دونوں میں رشتہ ازدواج قائم ہو گیا۔ اس کے دو ہفتے بعد دولہا نے ایک ہم پیشہ قانون داں کو ایک خط میں یہ الفاظ تحریر کئے۔

"یہاں کوئی نئی بات نہیں ہوئی، البتہ میری شادی ہو گئی اور یہ میرے لئے بڑے تعجب کی بات ہے۔"

شادی کے پہلے کورٹ شپ کے سلسلے میں حالات نے جو ناہموار صورت اختیار کی تھی اس سے لنکن کو کافی پریشانی ہوئی تھی مگر اس سے لنکن کا ایک کردار ضرور نمایاں ہو گیا جس پر ان کے دوست ان کے جیتے جی برابر رائے زنی کرتے رہے۔ اسٹوارٹ کے نام اپنے ایک خط میں جو کانگرس کے رکن کی حیثیت سے اس زمانے میں واشنگٹن گئے ہوئے تھے، لنکن نے لکھا تھا،

"دنیا میں جتنے انسان موجود ہیں، ان میں اب مجھ سے زیادہ بدنصیب

انسان کوئی نہیں۔ اگر میرے محسوسات تمام انسانی کنبے میں مساوی طور پر تقسیم کر دیئے جائیں تو پھر دنیا میں ایک بھی بشاش چہرہ نظر نہ آئے۔"

مگر دماغ کی یہ رو بھی رفتہ رفتہ رفت و گزشت ہو گئی۔ بعض مرتبہ تو یہ رو یکایک جولانی طبع میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ لنکن ایک مشاق داستان گو تھے۔ کہانیاں خوب کہتے تھے۔ جب کہانیاں کہنے بیٹھ جاتے، لوگوں کو گھنٹوں ہنساتے رہتے۔ اس کے باوجود ان پر اکثر بددلی بھی طاری ہو جایا کرتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ان کے ایک واقف کار کو یہ لکھنا پڑا کہ:

"جب لنکن چلتے تھے تو ان کے چہرے سے غم گیتی ٹپکتی تھی۔"

ذاتی مشکلات کے باوجود لنکن کو اپنے پیشے میں کافی مستحکم ترقی ہوئی۔ ریاست کی قانون ساز جماعت میں وہ دو مرتبہ اور منتخب ہوئے۔ گویا ان کا انتخاب کل چار مرتبہ عمل میں آیا۔ اس کے بعد ایک زیادہ بلند خواہش ان کے دل میں پیدا ہوئی اور وہ اس کی تکمیل کی طرف رجوع ہو گئے۔ یعنی ان کے دل میں کانگرس کا ممبر چنے جانے کا خیال پیدا ہوا۔ ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء میں تو ان کی نامزدگی ہو نہیں سکی لیکن ۱۸۴۶ء میں وہگ پارٹی نے انہیں اپنا امیدوار چن لیا اور اگلے سال ان کو اپنی نشست حاصل ہو گئی۔

اپنی واحد میعاد کے دوران میں لنکن کوئی خاص امتیاز نہ حاصل کر سکے ان کو کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں ہوئی۔ انہوں نے میکسیکو کے ساتھ جنگ چھیڑنے پر پریذیڈنٹ فاک اور خاص طور پر ڈیموکریٹ پارٹی والوں کو نشانۂ مخالفت بنایا۔ (یہ لڑائی اس وقت خاتمے کے قریب تھی) حالانکہ انہوں نے میدانِ جنگ کے لئے فوجوں کی بہم رسانی کے معاملے میں حکومت کے حق میں ووٹ دینے کی زحمت بھی اٹھائی تھی۔ یہ ان کی پارٹی کی تسلیم شدہ حیثیت تھی۔ لیکن ان کے رویے سے وہ خود اپنے حلقۂ انتخاب کے باشندوں کی نظروں میں نامقبول ہو گئے۔ کیونکہ ان میں زیادہ اشخاص جنگ کے حق میں تھے۔ انہوں نے نوٹس دیا کہ وہ ضلع کولمبیا میں (جہاں قومی دارالخلافہ واقع تھا) انسداد غلامی کے متعلق ایک مسودہ پیش کریں گے بشرطیکہ

وہاں کے باشندے بھی اس کے لئے راضی ہوں مگر انہوں نے کبھی اپنے اس ارادے پر عمل نہیں کیا۔ شاید ایوان نمائندگان میں ان کے ساتھی ان کو اس تقریر کے سلسلے میں مدتوں یاد کرتے رہے جسے سن کر لوگوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ گئے تھے۔ یہ تقریر انہوں نے جنرل لویس کاس کے خلاف فرمائی تھی۔ جنرل لویس کاس وہ شخص تھے جنہیں ڈیموکریٹ پارٹی والے ۱۸۴۸ء کے صدارتی انتخاب کے سلسلے میں ایک دہگ زکاری ٹیلر کے مقابلے میں کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ لنکن کانگریس میں صرف ایک سشن کے لئے شریک ہوئے تھے۔ پھر بھی اگر ان کے ضلع کے باشندے انہیں انتخاب میں دوبارہ کھڑا ہونے کے لئے اصرار کرتے تو ان کو بڑی خوشی ہوتی لیکن جنگ میکسیکو کے سلسلے میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس کی وجہ سے ان کی کامیابی کے وہ مواقع بھی جاتے رہے جو دوسری صورتوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ واشنگٹن میں زندگی مزے سے بسر کرنے کے بعد انہیں ایک بڑے عہدے کی تلاش ہوئی۔ جب یہ عہدہ کسی اور شخص کو دیدیا گیا تو ان کو بہت رنج پہونچا۔ وہ اسپرنگ فیلڈ چلے آئے اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ اب وہ سیاسیات سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے اور تمام و کمال پیشۂ قانون میں مصروف و منہمک ہو جائیں گے۔

چار سال کے بعد اسٹوارٹ کے ساتھ بھی لنکن کی شرکت ختم ہو گئی اس کے بعد وہ اسٹفن ٹی لوگن کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے۔ یہ ایک پرانے اور نہایت قابل قانون داں تھے۔ لوگن کی رہنمائی میں لنکن نے رفتہ رفتہ کافی ترقی کی۔ ۱۸۴۵ء میں انہوں نے خود اپنے فرم قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی تک وہ ایک صغیر حصہ دار تھے۔ اور انہوں نے ولیم ایچ ہرنڈن کو اپنا مددگار بنا لیا۔ ہرنڈن بہت تیز طبع تھے۔ ان میں بڑی ذکاوت تھی۔ جب لنکن عہدۂ صدارت کے لئے منتخب ہو گئے اس وقت یہ شرکت ختم ہو گئی۔

۱۸۴۹ء کے بعد جب لنکن کانگریس سے واپس آئے تو ریاست الی نوائس

میں قانون کے پیشے میں بڑی بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ کارپوریشنوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی اور خاص طور پر ریلوں اور سڑکوں کی تعمیر کے سلسلے میں جو کارپوریشنیں تھیں، ان میں بڑا اضافہ ہوگیا تھا۔ ان کو صفِ اوّل کے تربیت یافتہ اور نرم مزاج وکیلوں کی ضرورت تھی۔ بہت بڑی تعداد میں نوجوان طالب علم کالجوں اور قانونی مدرسوں میں بھرتی ہو رہے تھے جس سے لنکن کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو پڑھائی میں بڑی محنت کرنا پڑے گی ورنہ وہ مقابلے میں پیچھے رہ جائیں گے۔ ادھر ان کی گھریلو ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اب وہ دو لڑکوں کے باپ بن گئے تھے (دو لڑکے اور بھی پیدا ہوئے ایک ۱۸۵۰ء میں دوسرا ۱۸۵۳ء میں)۔

لنکن نے اتنی تندہی اور جانفشانی سے کام لیا کہ چند ہی سال کے اندر اندر وہ الی نوائس کی بار کے سربرآوردہ ممبروں میں شمار کیے جانے لگے۔ ان کو مقدموں کی پیروی کے سلسلے میں اکثر و بیشتر عدالتِ عالیہ میں پیش ہونا پڑتا تھا۔ وہ فیڈرل عدالتوں میں جاتے۔ جہاں وہ بڑی بڑی رقموں والے مقدموں میں بڑے اہم موکلوں کی طرف سے پیش ہوتے۔ علاوہ بریں وہ سرکٹ کورٹوں میں بھی کام کرتے تھے۔ یہ ایک قدیم انگریزی رواج تھا قصباتی عدالتوں میں پیش ہونے کا جس کے اجلاس یکے بعد دیگرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ہمیشہ کی طرح منطقی اندازِ فکر و اظہارِ خیال کے جذبے سے متحرک ہو کر لنکن نے یونانی ریاضی داں اقلیدس کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور اس میں بھی ان کو اتنی دسترس حاصل ہوگئی کہ وہ بجا طور پر یہ کہہ سکتے تھے کہ ان کو چھٹوں کتابوں پر عبور حاصل ہوگیا ہے۔ جہاں ان کی خرجیؔ[1] میں ایک طرف اقلیدس رکھی ہوتی تھی وہاں دوسری طرف شیکسپیر کے ناٹکوں کی بھی ایک بوسیدہ جلد ہوتی تھی۔ ان میں سے کچھ ناٹکوں مثلاً کنگ لیر، میک بیتھ، ہیملٹ اور رچرڈ سوئم

---

[1] ایک قسم کا تھیلہ جسے انگریزی میں کارپٹ بیگ کہتے ہیں۔

کو تو انہوں نے کئی بار پڑھا تھا۔

سرکٹ کی زندگی لنکن کو بہت مرغوب تھی۔ حالانکہ اس کی وجہ سے انہیں سال میں چھ مہینے گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا اور فیس کی آمدنی کم ہوتی تھی۔ جب چھوٹے قصبوں کی قانونی انجمنوں میں دوسرے قانون پیشہ حضرات انہیں گھیر لیتے تھے اس وقت ان کی طبیعت میں بڑی جولانی ہوتی تھی۔ اور جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دوب کے ہرے ہرے اور لق و دق میدانوں سے ہو کر دور تک ٹہلتے تو ان کو غور و خوض کے لئے کافی موقع مل جاتا تھا اور یہ غور و خوض ان کے لئے درسی کتابوں کے مطالعہ سے کہیں زیادہ مفید تھا۔ انہوں نے کبھی کوئی باقاعدہ فلسفہ نہیں ایجاد کیا لیکن کچھ خاص نتائج ضرور اخذ کئے جن کا اظہار انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنی تقریروں، چٹھیوں اور یادداشتوں میں کیا ہے۔

ان دنوں مختلف قوموں اور مذہبوں میں باہم ناروا داری روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ اس کا اظہار غیر ملکیوں کی مخالفت اور ۱۸۵۰ء کے کیتھولک فرقے کے خلاف نو نتھنگ جماعت کی شکل میں ہوا۔ اس سے لنکن کو بڑی پریشانی ہوئی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص ان مظالم سے نفرت کرتا ہے جو غلاموں پر توڑے جاتے ہیں وہ سفید فام اقوام کے پست طبقوں کی حمایت کس طرح کر سکتا ہے۔

اگر غلامی کے متعلق قومی پالیسی میں یکایک تبدیلی نہ ہوتی ہوتی تو لنکن شاید اپنی باقی تمام زندگی قانونی سرگرمیوں نیز حصول علم اور غور و خوض میں گزار دیتے۔

انگریزی نو آبادیوں میں غلامی کا وجود ۱۶۱۹ء سے تھا۔ ۱۷۸۹ء میں جو قانون منظور ہوا اس میں اس رواج کی موجودگی جائز قرار دیدی گئی تھی اور اس کو فیڈرل حکومت کے بجائے خاص طور پر ریاستوں کے حیطۂ اختیار میں دیدیا گیا تھا۔ اس زمانے میں تیرہ ریاستیں تھیں اور ان میں سے بارہ ریاستوں میں غلاموں کے رکھنے کا رواج تھا۔ حالانکہ شمال میں ان کی تعداد نسبتاً کم تھی۔ جنوب اور شمال دونوں خطے کے مدبروں کو انسانوں کے غلام بنائے جانے پر افسوس ہوتا تھا

اور اگر روئی سے بنولا نکالنے کی مشین ایجاد نہ ہوگئی ہوتی تو یہ رواج قدرتاً خود بخود ختم ہو جاتا۔ اس مشین کے ذریعہ روئی کے بیج روئی کے ریشوں سے بہت جلد اور زیادہ اچھی طرح علیحدہ کئے جا سکتے تھے۔ اس سے روئی کی پیداوار بہت بڑھ گئی۔ اس کام کے لئے کھیتوں میں کام کرنے والے حبشیوں کی مانگ بہت بڑھ گئی۔ جن ریاستوں میں روئی پیدا ہوتی تھی اور جو سب کی سب جنوب میں تھیں غلامی کے لئے معذرت خواہی کرنے کے بجائے اس کی حمایت کرنے لگیں مگر دوسری طرف شمالی ریاستوں میں جہاں غلاموں کا رکھنا اقتصادی نقطۂ خیال سے درست نہیں تھا یہ رواج ترک کر دیا گیا۔ ان ریاستوں میں یہ خیال روز بروز بڑھتا گیا کہ اس رواج کی بنیاد بے انصافی پر قائم ہے اور اس کا جاری رکھنا مناسب نہیں۔ اسی وجہ سے ملک کے دو طبقوں میں محض اقتصادی مفاد کے لحاظ سے نہیں، اخلاقی جذبہ کے لحاظ سے بھی شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔

دو مرتبہ یعنی ایک مرتبہ ۱۸۲۰ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۸۵۰ء میں غلامی کے مسئلے پر دونوں دھڑوں کے درمیان اختلافات اس قدر زیادہ بڑھ گئے کہ ریاست ہائے متحدہ میں خانہ جنگی ہوتے ہوتے رہ گئی مگر دونوں مرتبہ معاملہ صلح وصفائی سے طے ہو گیا۔ اس مصالحت کا ایک لازمی پہلو یہ تھا کہ اس کی رُو سے جانبین اس بات پر رضامند ہو گئے کہ غلامی کا رواج قومی علاقوں میں ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ قومی علاقوں سے مراد تھے وہ خطے جو فیڈرل حکومت کی ملکیت تھے اور جن میں بالآخر اور بھی ریاستیں بنائی جانے والی تھیں یعنی اس خطے کے زیادہ حصے میں جو اب ریاستہائے متحدہ کا مغربی حصہ ہے۔

لیکن ۱۸۵۴ء میں ایک حریص سیاستداں اسٹفن اے ڈگلس نے جو خود لنکن کی ریاست الی نوائس کی طرف سے سینیٹر مقرر ہوئے تھے، ایک مسودہ قانون کنساس نبراسکا ایکٹ کے نام سے پیش کیا جس کی رو سے مصالحتوں کا یہ پہلو بیکار ہو جاتا تھا۔ اس مسودے کی رو سے جس نے بالآخر قانون کی شکل اختیار کر لی، علاقہ جات

کے ریاست کی شکل میں آنے کے پہلے ان کے باشندوں کو اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا کہ ان کو غلامی کے رواج کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اس طرح ملک کا ایک عظیم طبقہ جو پہلے کسی قدر انسداد غلامی کا حامی تھا دوبارہ غلامی کو ممکن بنانے کا حامی ہو گیا۔

شمال کے دوسرے ہزاروں باشندوں کی طرح لنکن کو بھی اس قانون سے سخت صدمہ پہونچا۔ وہ اس قانون کو ایک مدت العمر کی قائم شدہ پالیسی سے گریز قرار دیتے تھے اور گریز بھی ایسا جو خطرناک تھا اور ساتھ ہی ساتھ جس کا کوئی اخلاقی جواز بھی نہ تھا لیکن اصولاً غلامی کے خلاف تھے لیکن وہ انتہا پسند بھی نہیں تھے۔ انسداد غلامی کے دوسرے حامیوں کی طرح وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ رواج ہر قیمت پر ختم کر دیا جائے۔ وہ اس بات پر رضامند تھے کہ جن مقامات میں یہ رواج قائم ہے وہاں اسے بدستور قائم رہنے دیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی امید تھی کہ جیوں جیوں اقتصادی حالات درست ہوتے جائیں گے اور ان کے ہموطنوں کا ضمیر بیدار ہوتا جائے گا، غلامی کا رواج بھی ختم ہونے لگے گا۔ لیکن کنساس نبراسکا ایکٹ کی طرح وہ کسی بھی ایسے قانون کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھے جس کا مقصد یہ ہو کہ ان علاقوں میں بھی غلامی کے رواج کی توسیع ہو جائے جو آزاد سمجھے جاتے تھے۔

یہ خود لنکن کا بیان ہے کہ اس قانون سے ان کے کان کھڑے ہو گئے اس سے پیشتر وہ اتنے چوکنے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ اب انہوں نے پھر سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۸۵۴ء میں کانگریس کا ایک معرکہ اپنی پوری رفتار سے جاری تھا۔ انہوں نے ایک مقامی وہگ امیدوار کے حق میں تقریریں کرنا شروع کر دیں جنہوں نے کانگریس کے ممبر کی حیثیت سے کنساس نبراسکا ایکٹ کی مخالفت کی تھی۔ اس مرتبہ لنکن کی تقریروں میں یکایک ایک ایسی گہرائی، ایسی قوت اور ایسا اخلاقی جوش پیدا ہو گیا جو اس سے پہلے ان کی جدوجہد میں کبھی نظر نہیں آیا تھا۔

جب یہ معرکہ روبہ اختتام تھا، انہوں نے اپنی تقریروں میں متعدد بار یہ فرمایا

کہ جمہوریت کی پوشاک گرد آلود ہو گئی ہے، اسے خاک میں لتھیڑ دیا گیا ہے ہمیں اس کو پھر صاف کرنا چاہیئے اور اگر بغاوت کے ذریعہ خونریزی نہ کی جائے تو کم از کم ہمیں اسے دھو دھلا کر اس کے جوہر کو فوراً ہی اجال دینا چاہیئے اخلاق کا سہارا لے کر کوئی غلامی پر اپنا حق نہ جتلائے، اس کے موجودہ قانونی حقوق کی آڑ نہ لے اور یہ نہ کہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مناسب ہے کہ اس کو پھر وہی حیثیت حاصل ہو جائے جو ہمارے بزرگوں کے ہاتھوں حاصل ہوئی تھی اور اس حیثیت میں اسے امن وسکون کے ساتھ رہنے دیا جائے۔ ہمیں پھر سے "اعلان آزادی" اور اس کے ساتھ ساتھ ان رواجوں اور پالیسیوں کو بھی اختیار کرنا چاہیئے جو اعلان سے مطابقت رکھتی ہیں۔ سارے شمال کو، سارے جنوب کو، سارے امریکہ کو اور ہر جگہ تمام شیدائیان حریت کو چاہیئے کہ اس عظیم اور نیک کام میں حصہ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یونین کو صرف بچا ہی نہیں لیں گے بلکہ اس طرح بچا لیں گے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ ایسی چیز بن جائے گی جو بچائے جانے کے قابل ہو۔ ہم اس کو اس طرح بچائیں گے کہ تمام دنیا میں آگے چل کر جو آزاد اور خوش و خرم اقوام پیدا ہوں گی وہ آخری نسل تک کھڑی ہو کر ہمارے حق میں دعائے خیر کریں گی ہم کو مبارک قرار دیں گی۔"

جب لنکن نے اس انداز سے تقریر کی تو ہزاروں انسانوں کے دل ہل گئے۔ ان پر اس تقریر کا بہت اثر پڑا لنکن نے ایک نئی جماعت میں جسے ری پبلکن پارٹی کہتے تھے اپنے لئے نمایاں حیثیت حاصل کر لی وہ اس کے لیڈر ہو گئے۔ یہ جماعت کنساس نبراسکا کی پالیسی کے خلاف قائم ہو رہی تھی۔ ۱۸۵۵ء میں وہ ریاست ہائے متحدہ کی سینٹ میں ممبر منتخب ہوتے ہوتے رہ گئے۔ دوسرے سال جب اس نئی جماعت نے پہلی مرتبہ قومی ٹکٹ پر ایک امیدوار کھڑا کیا تو انہوں نے سر توڑ اور لگاتار جدوجہد کی۔ انہوں نے صدر اور نائب صدر کے عہدے کے لئے ری پبلکن پارٹی کے امیدواروں کو انتخاب میں ہارتے دیکھا لیکن اس بات سے ان کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ان

کا بڑا حوصلہ بڑھا کہ ریاست الی نوائس میں ان کی جماعت کے امیدواروں ہی کو تمام عہدے حاصل ہو گئے۔ دو برس بعد ۱۸۵۸ء میں لنکن کو اپنی زندگی میں ترقی کرنے کا پہلا عظیم موقع حاصل ہوا۔ سینیٹر ڈگلس دوبارہ انتخاب کے لئے کھڑے ہونے والے تھے اور ڈیموکریٹک پارٹی کے اس لیڈر کی مخالفت کرنے کے لئے ری پبلکنوں نے متفقہ طور پر قریب قریب یہ طے کر لیا کہ وہ لنکن ہی کو اپنا نمائندہ بنائیں گے۔

یہ دونوں اشخاص سیاست کے میدان میں اپنی جوانی کے زمانے ہی سے ایک دوسرے کے مخالف رہے تھے۔ جب لنکن الی نوائس کی قانون ساز جماعت میں تجربہ حاصل کر رہے تھے، ڈگلس ڈیموکریٹک پارٹی کی سیاسی سیڑھی پر چڑھ رہے تھے۔ شروع شروع میں تو وہ سرکاری وکیل تھے مگر ترقی کرتے کرتے انہیں قومی ایوان نمائندگان میں نشست حاصل ہو گئی تھی۔ جب ۱۸۴۷ء میں لنکن نے اس ایوان میں قدم رکھا، سینیٹ میں ڈگلس کے عہدے کی پہلی میعاد شروع ہوئی تھی۔ ۱۸۵۸ء میں جب ان کی دوسری میعاد ختم ہو گئی تو وہ پارٹی کے ایک مسلمہ لیڈر اور عہدۂ صدارت کے لئے انتخابی مقابلے میں ایک ممتاز امیدوار تسلیم کر لئے گئے۔

یہ معرکہ تقریباً چار سال تک جاری رہا۔ اس معرکہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مسلسل سات مشترکہ مباحثے ہوئے۔ اس مباحثے میں ہر جماعت کے امیدوار ایک ہی پلیٹ فارم سے تقریر کرتے تھے۔ انہوں نے تین گھنٹوں کی مدت کو تقریر کرنے کے لئے آپس میں تقسیم کر لیا تھا لیکن ہر شخص قریب قریب ہر روز اپنے خاص سامعین کے سامنے تقریر کرتا تھا۔ ہر امیدوار ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے آتا تھا۔ بعض مرتبہ یہ لوگ دریائی اسٹیمروں کے ذریعہ آتے تھے، بعض مرتبہ ریل کی پرانی سڑکوں پر چل کر اور زیادہ تر تو اسٹیج کوچ پر، گھوڑوں پر یا بگھی پر سوار ہو کر آتے تھے۔ صرف سفر ہی کرنے کے لئے انتہائی جسمانی قوت برداشت کی ضرورت تھی مگر کبھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ کوئی امیدوار کسی جلسے میں نہ جا سکے، کوئی جلسہ ان کی شرکت سے چھوٹتا نہیں تھا۔

اس تمام معرکے میں لنکن نے ڈگلس کے خلاف یہ الزام لگایا کہ انہوں نے غیر ضروری طور پر غلامی کا سوال دوبارہ چھیڑ دیا ہے اور اس طرح ایک خراب رواج کی توسیع کے لئے راستہ کھول دیا ہے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اقتدار عامہ کا اصول یعنی علاقہ جات کے آبادکاروں کو یہ حق حاصل ہو تا کہ اگر وہ چاہیں تو غلامی کے رواج کو برقرار رکھیں یا اسے ختم کر دیں، عملی طور پر چل نہیں سکتا۔ ڈگلس نے یہ بھی کہا تھا کہ لنکن شمالی اور جنوبی علاقوں کے درمیان جنگ کرانا چاہتے ہیں اور حبشیوں کے مساوی حقوق کے علمبردار ہیں، ان کو برابری کا درجہ دیئے جانے کے حامی ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لنکن کا یہ خیال نہیں تھا کہ حبشی اس قابل ہو گئے ہیں کہ انہیں مکمل سیاسی اور سماجی حقوق حاصل ہو جائیں۔ لیکن ان کو یہ امید ضرور تھی کہ غلامی بالآخر ختم ہو کر رہے گی اور حبشیوں کو اپنی حالت بہتر بنانے کا ہر موقع حاصل ہونے لگے گا۔ ڈگلس کو حبشیوں کے حقوق کی کوئی پروا نہیں تھی اور انہوں نے بار بار بالاعلان یہ کہا کہ وہ سفید اقوام کی برتری کے غیر معین عرصہ تک جاری رکھے جانے کے حق میں ہیں۔

حالانکہ ڈگلس منتخب ہو کر سینیٹ کے رکن ہو گئے تھے مگر تھوڑے دنوں کے بعد جیت آخر لنکن ہی کی ہوئی۔ جو سات مباحثے باضابطہ طور پر ہوئے اور جن کی خبر تمام ملک کے اخباروں میں شائع ہوتی تھی، ان کی بدولت لنکن کو ایک قومی ہیرو کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اگر انتخابی مقابلے کے سلسلے میں ان کو اتنی شہرت حاصل نہ ہو گئی ہوتی تو دو برس کے بعد صدارتی انتخاب کے سلسلے میں ان کے نام کی تجویز پر غور نہ کیا گیا ہوتا۔

۱۸۶۰ء کے موسم بہار میں جب اپنی پارٹی کا امیدوار چننے کے لئے ری پبلکن کنونشن منعقد ہوا اس زمانے میں لنکن کوئی نمایاں امیدوار نہیں تھے۔ لیکن کنونشن کے اجلاسوں کے دوران ہی میں یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو گئی تھی کہ نیویارک کے سینیٹر ولیم ایچ سوارڈ اور اوہیو کے گورنر سیلمن پی چیز دونوں

نے اپنی سیاسی زندگی میں اپنے اس قدر دشمن بنا لئے تھے کہ ان کی نامزدگی ناممکن ہوگئی تھی۔ اس لئے نمائندوں کا دھیان لنکن کی طرف گیا۔ اس وقت امیدواری کے لئے وہی دستیاب ہو سکتے تھے۔ تیسری مرتبہ رائے شماری پر ان کی نامزدگی عمل میں آگئی۔

۱۸۶۰ء میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کی وجہ سے ان کا انتخاب یقینی ہو گیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے دو دھڑے ہو گئے۔ ایک دھڑے نے ڈگلس کا نام تجویز کیا اور دوسرے نے ایک ایسے شخص کو نامزد کیا جو جنوبیوں کا طرفدار تھا اور انتہا پسند بھی تھا۔ کانسٹی ٹیوشنل یونین نام کی ایک چوتھی پارٹی نے مخالفوں میں اور بھی دھڑے بندی کر دی۔ لنکن نے ذاتی طور پر کوئی جد و جہد نہیں کی لیکن ان کو اپنے تینوں حریفوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل ہوئے اور وہ صدر بن گئے۔

جنوبی ریاستوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر ری پبلکن پارٹی کا کوئی رکن صدر منتخب ہو گا تو وہ یونین سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گی۔ جنوب کے کٹر لیڈروں کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ اگر ملک کا انتظام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو غلامی کے دشمن ہیں تو جنوب والوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جائے گا۔ جنوب کے اہل الرائے لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ ہر ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے پر امن طریقے سے کام لے کر یونین سے علیحدہ ہو جائے۔ جس وقت ایسا کرنا اس کے حق میں مفید ہو گا وہ یونین سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اب ان لوگوں نے اس نظریہ کو عملی شکل دینا شروع کیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۶۰ء کو جنوبی کیرولنا نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ خود کو ایک آزاد ریاست قرار دیدیا۔ جب ۴ مارچ ۱۸۶۱ء کو لنکن نے عہدۂ صدارت کا حلف اٹھایا، اندرون جنوب کی چھ اور ریاستوں نے بھی جنوبی کیرولنا کی تقلید میں آزادی کا اعلان کر دیا اور اس سے بھی زیادہ بات یہ ہوئی کہ ان سب نے مل کر اپنی ایک حکومت قائم کر لی اور اس کا نام کنفیڈریٹ اسٹیٹس

آف امریکہ قرار دیا۔

اس وقت تک علیحدہ ہونیوالی ریاستوں سے کوئی باز پرس بذریعہ قوت نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے قریب قریب ان تمام وفاقی حلقوں، اسلحہ خانوں، ڈاک خانوں اور کسٹم ہاؤسوں پر قبضہ کر لیا تھا جو ان کی حدود میں واقع تھے اور ان کو امید تھی کہ حقوق جائداد کے سلسلے میں ان کے درمیان باہمی رضامندی سے تصفیہ ہو جائے گا لیکن نہ تو لنکن اور نہ شمالی ریاستیں علیحدگی کا حق تسلیم کرنے کے لئے تیار تھیں اور صدر نے جو حلف اٹھایا تھا اس کی رو سے ان کا فرض تھا کہ وہ "یونین کو برقرار رکھیں اور اس کی حفاظت اور مدافعت کریں" پھر بھی لنکن نے جلد بازی سے کام نہ لیا اور وہ بھی اس لئے کہ جیوں جیوں وقت گزرتا جائے گا عقل سلیم غالب آتی جائے گی اور جب بار بار ان کو رضامند کرنے کی کوشش کی جائے گی تو جنوبی ریاستیں اپنے قدیم حلقے میں واپس آنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گی۔ انہوں نے اپنے اولین افتتاحیہ خطبے میں جو فی الواقع ان کا ایک عظیم سرکاری بیان تھا، جنوب کے باشندوں کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ ری پبلکن پارٹی کے ہاتھوں میں جو حکومت ہوگی اس سے ان کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ ریاستوں کے اس طرح علیحدہ ہو جانے سے طوائف الملوکی پھیل جائے گی اور اس بات پر زور دیا کہ تقسیم کے زخموں کے اندمال کو وقت پر چھوڑ دیا جائے۔

ایک مہینے تک حالات بدستور رہے البتہ جنوب کے سینیٹروں اور نمائندوں نے ایلچی اپنی نشستوں سے استعفے دیدیا تھا اور بری و بحری فوج کے جنوب سے تعلق رکھنے والے حکام نے اپنی اپنی ریاستوں کی مسلح فوجوں میں یا کنفیڈریسی کی فوجوں میں شامل ہونے کے لئے اپنے اپنے کمیشن واپس کر دیئے۔ اس کے بعد دو ٹوک فیصلے کی نوبت آ گئی۔ جنوبی کیرولنا کی بندرگاہ چارلسٹن کے قریب فورٹ سمپٹر جنوب کے ان چند حلقوں میں تھا جن پر اب تک یونین کا قبضہ تھا۔ یہاں

غذائی سامان کی قلت تھی لیکن اس قلعے کو اہل جنوب کو سپرد کرنے کے لیے تیار نہ تھے، نہ مزید فوج مہیا کر کے لڑائی مول لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے صرف سامان بھیجنے کا درمیانی راستہ اختیار کیا اور جنوبی کیرولنا کی ریاست کو یہ لکھ بھیجا کہ اگر سامان کی بہم رسانی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی تو یونین کی طرف سے بھی طاقت سے کام نہیں لیا جائے گا۔ لیکن کنفی ڈریسی کے حکام نے اس کے جواب میں قلعہ پر گولہ باری شروع کر دی اور قلعہ والوں نے دوسرے ہی روز یعنی ۱۳ اپریل ۱۸۶۱ء کو ہتھیار ڈال دیئے۔ دو روز بعد لنکن نے بغاوت کی حالت کا اعلان کر دیا اور یونین کی مسلح فوج طلب کر لی۔ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

لنکن کی عمر اس زمانے میں ۵۲ سال تھی۔ قوم کی تاریخ میں انہیں انتہائی نازک حالات سے سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ بمشکل کہا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار تھے۔ قانون سازی کے معاملے میں ان کا تجربہ محدود تھا حکومت کا نظم و نسق چلانے کی تربیت بھی ان کو نہیں ملی تھی۔ ایک ناظم حکومت کی حیثیت سے بھی وہ ناآزمودہ کار تھے۔ صورت حالات اس وجہ سے اور بھی پیچیدہ ہو گئی کہ انہیں ہزاروں تقرریوں کے متعلق فیصلہ کرنا تھا اور ان کی اعانت کرنے کے لیے جو قلیل عملہ تھا وہ بھی غیر تربیت یافتہ تھا۔ حکومت خود بھی اتنی منظم نہ تھی کہ جتنے بڑے پیمانے کی بری اور بحری فوج کی ضرورت تھی وہ اس کو تیار رکھنے، منظم کرنے اور اس کو سازوسامان مہیا کرنے کے گوناگوں مسائل سے عہدہ برآ ہو سکتی۔

مگر لنکن میں ایک بہت بڑا وصف تھا۔ ان کو ایمانی جوش کے ساتھ اس بات کا یقین تھا کہ یونین کا مفاد محض مقدس ہی نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے نہایت درجہ اہم بھی ہے۔ ہر موقع پر وہ اپنے اسی عقیدے پر زور دیتے اور ان کو یقین تھا کہ اگر شمال والے بھی ان کے ہم خیال ہو جائیں تو وہ اتنی جدوجہد کر سکتے ہیں کہ آخر کار پالا انہیں کے ہاتھ رہے۔

لنکن کو جلد ہی ایسی صورت حالات سے دوچار ہونا پڑا جس میں

مکمل اعتقاد اور ایمان سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ شمال والوں کے حق میں جنگ کا نتیجہ خراب نکلا۔ ۲۱ جولائی ۱۸۶۱ء کو بل رن واقع ورجینیا کے مقام پر پہلا معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس میں یونین کی افواج کو جن کو اپنی فتح کا بے حد یقین تھا، نہایت تباہ کن شکست حاصل ہوئی۔ فوج میں انتشار پیدا ہو گیا اور اسے واشنگٹن واپس آنا پڑا۔ نئے سپہ سالار بھی کچھ زیادہ خوش نصیب نہ نکلے اور اس کے بعد انہیں اور بھی شکستیں کھانا پڑیں بایں ہمہ جنگ میں کامیابی یک طرفہ نہیں تھی۔ مغرب میں ٹینیسی کے مقام پر کنفی ڈریسی کی افواج کو مغلوب کر لیا گیا حالانکہ اس کی قیمت بہت زیادہ ادا کرنی پڑی۔ جان و مال کا کافی نقصان ہوا۔ دریائے مسی سپی کی نشیبی وادی میں فڈریسی کی بحری فوجیں نیو اورلینز تک پہونچ گئیں اور انہوں نے شہر پر قبضہ کر لیا جو مستقل طور پر یونین کی افواج کے قبضے میں رہا۔

لیکن جنگ کا فیصلہ صرف مغرب ہی میں نہیں ہونا تھا مشرق میں کنفی ڈریسی کی ان فوجوں کا استیصال بھی ضروری تھا جو شمالی ورجینیا میں صف آرا تھیں اور جو ایک نہایت ذہین جنگی ماہر رابرٹ ای لی کے زیر کمان تھیں۔ اگرچہ صدر لنکن کو جنگی معاملات میں ابھی تک خود اپنے بازوؤں پر بھروسہ نہیں تھا پھر بھی انہوں نے اپنی پسند سے کام لیا۔ انہوں نے یونین کی ان فوجوں کی کمان جو پوٹو ماک میں برسرپیکار تھیں، دوبارہ جنرل بی میکلیلن کو سپرد کر دی حالانکہ جنرل مذکور کو رچانڈ کے مورچے میں ناکامی حاصل ہو چکی تھی، اور وہ خطرناک طور پر قریب قریب عدول حکمی کا مرتکب ہو چکا تھا مگر لنکن کو میکلیلن پر بھروسہ تھا اور میکلیلن نے لی کے اس حملے کو پسپا کر کے جو لی نے میری لینڈ میں اینٹی ٹام پر کیا تھا لنکن کے اس بھروسے کو صحیح ثابت کر دیا۔

اینٹی ٹام کی صرف جنگی نقطۂ خیال ہی سے اہمیت نہیں تھی۔ یہ ایک علامت تھی اس بنیادی تبدیلی کی جو لنکن اپنی پالیسی میں کرنے والے تھے۔ شروع شروع میں توان کا صرف ایک مقصد تھا یعنی یونین کی بحالی لیکن جیوں جیوں جنگ کا سلسلہ بڑھتا گیا، باشندگان شمال یہ مطالبہ کرنے لگے کہ غلامی کو ہدف جنگ بنایا جائے جیسے

وہ اس کش مکش کا بنیادی سبب سمجھتے تھے۔ لنکن کو بخوبی معلوم تھا کہ معمولی ایام میں تو غلامی کا انسداد صدر کے بھی بس کی بات نہ تھی لیکن ان کا خیال تھا کہ زمانہ جنگ میں آئین کی رو سے انہیں غیر معمولی اختیار حاصل تھے۔ جولائی ۱۸۶۲ء میں انہوں نے ان غلاموں کی آزادی کا ایک اعلان جاری کرنا چاہا جو یونین سے علیحدہ ہو چکی تھیں ایسا کرنے سے کنفی ڈریسی اس امداد سے محروم ہو جاتی جو اسے یوروپ سے ملتی تھی اور خاص طور پر برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کے باشندے ہرگز ہرگز اپنی حکومتوں کو غلامی کی حمایت کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ اس سے غلاموں میں بھی اپنے کنفی ڈریسی والے آقاؤں کو خیرباد کہہ کر یونین کی افواج میں بھرتی ہونے کا خیال پیدا ہو جاتا۔ لیکن جب لنکن نے اپنی کابینہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو کابینہ کے مشورے سے انہیں یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ نیڈریشن کو پے در پے شکست حاصل ہونے سے اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا بزدلی اور مایوسی کا ثبوت ہوتا اور جیسا کہ ان کے سکریٹری آف اسٹیٹ نے کہا تھا "یہ پسپائی کے وقت کی آخری چیخ کے مترادف ہے"۔

اب لنکن اس بات کا انتظار دیکھنے لگے کہ شمال میں قسمت کا رخ کس طرف پلٹتا ہے۔ انٹی ٹام کی جنگ اگرچہ فیصلہ کن نہیں تھی لیکن اس سے ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ جنگ کے پانچ روز بعد ۲۲ ستمبر ۱۸۶۲ء کو انہوں نے کابینہ کا ایک اجلاس طلب کیا۔ جوانی کے زمانے ہی سے لنکن کو ہنسی مذاق کی بدولت دنیوی فکروں سے نجات حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس جلسہ کا آغاز جو ان کے زمانہ حکومت کا اہم ترین اجلاس تھا، اس زمانے کے ایک ظریف الطبع فلاسفر کی ایک تصنیف کا ایک صفحہ پڑھ کر کیا۔ پھر سنجیدہ ہو کر لنکن نے اپنے وزرار کو اس اعلان کی یاد دلائی جس کے خلاف ثانی الذکر نے دو ماہ پیشتر اعتراض کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا اس وقت سے آج تک میرا دماغ برابر اس مسئلہ کی طرف لگا ہوا ہے اور میں یہی سوچتا ہوں کہ اس مسئلے کے سلسلے میں عملی کارروائی کرنے کا وقت کبھی نہ کبھی آئے گا ضرور۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے۔

جب باغی فوج فریڈرک کے مقام پر تھی، اس وقت میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جوں ہی یہ فوج میری لینڈ سے نکال دی جائے گی میں غلاموں کی نجات کا ایک اعلان جاری کر دوں گا۔ میرا یہ خیال تھا کہ یہ اعلان ضرور مفید ثابت ہو گا۔ اس وقت میں نے کسی سے خود کچھ نہیں کہا۔" لنکن نے کسی قدر توقف سے رک رک کر کہا: "میں نے خود اپنی ذات سے اور اپنے خالق سے یہ عہد کیا ہے کہ اب جبکہ باغی فوج پسپا ہو گئی ہے میں اس وعدے کو پورا کر کے چھوڑوں گا۔"

صدر کی گفتگو کا لہجہ آہستہ تھا مگر ان کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پورے اختیار سے کام لیکر گفتگو کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

"میں نے آپ سب کو یہاں اس لئے مجتمع کیا ہے کہ میں آپ کو وہ خبر سنا دوں جو میں نے تحریر کی ہے۔ خاص مسئلے کے بارے میں تو میں آپ کا مشورہ لینا نہیں چاہتا کیونکہ اس کے لئے تو میں نے خود ہی فیصلہ کر لیا ہے لیکن اگر اس انداز تحریر کے بارے میں جو میں استعمال کر رہا ہوں یا کسی اور جزوی معاملے میں آپ کو کچھ فرمانا ہو تو میں بخوشی آپ کا مشورہ قبول کر دوں گا۔"

اس کے بعد پھر انہوں نے سلسلہ جنبانی کی۔ ان کے لہجے میں ذرا بھی تمکنت نہ تھی۔

"مجھے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ دوسرے معاملوں کی طرح اس معاملہ میں بھی اکثر دوسرے حضرات مجھ سے بہتر مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور اگر مجھے یہ اطمینان ہو کہ عوام الناس کو میرے بمقابلہ کسی اور شخص کی ذات میں زیادہ اعتماد ہے اور مجھے کوئی ایسا آئینی طریقہ معلوم ہو جس کی رو سے میری جگہ اس شخص کو لا کر بٹھا دیا جائے تو ضرور اس کو میرے بجائے کام کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ میں بخوشی یہ عہدہ اس کو سپرد کرنے کے لئے تیار رہوں لیکن اگرچہ میرا خیال ہے کہ لوگوں کو میری ذات میں آج وہ اعتماد نہیں رہا جو اس سے کچھ دنوں پہلے تھا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ سب باتوں کا مجموعی طور پر خیال کر کے کسی شخص کو میرے مقابلہ میں لوگوں کا زیادہ اعتماد حاصل ہے!

نہیں مگر خواہ کچھ بھی ہو مجھے کوئی اور طریقہ ایسا نظر نہیں آتا جس سے میں کسی اور شخص کو اس عہدے پر لا کر بٹھا دوں جس پر اس وقت میں بیٹھا ہوں۔ میں یہاں موجود ہوں اور جو کچھ میں زیادہ سے زیادہ کر سکتا ہوں کرنے کے لئے تیار ہوں اور میں اس طریق کار کے اختیار کرنے کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔ مجھے اپنے خیال کے مطابق یہ ذمہ داری لینا بھی چاہئے۔

دوسرے ہی روز غلاموں کی نجات کا اعلان دنیا بھر میں مشتہر ہو گیا۔ اس اعلان میں یہ بھی تنبیہ کر دی گئی تھی کہ اگر باغی ریاستیں یکم جنوری ۱۸۶۳ء تک یونین میں دوبارہ شامل نہیں ہو جائیں گی تو جو غلام ان ریاستوں میں ہوں گے ان سب کو ہمیشہ کے لئے آزاد قرار دیدیا جائے گا۔ کنفیڈریسی کی ریاستوں نے اس تنبیہ کو نظر انداز کر دیا اور کسی کو بھی یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس کو نظر میں لائیں گی اس لئے حسب وعدہ دوسرا اور آخری اعلان مشتہر کر دیا گیا۔ جہاں تک غلاموں کو آزاد کرنے کا سوال ہے اس اعلان کا بہت کم اثر ہوا کیونکہ یہ اعلان ملک کے ان حصوں کے لئے مختص تھا جن پر فیڈرل حکومت کا کوئی اختیار نہ تھا۔ لیکن اس اعلان سے انسداد غلامی کا مسئلہ جنگ کا دوسرا عظیم مقصد بن گیا اور براہ راست اسی کی وجہ سے آئین میں تیرھویں ترمیم کی ضرورت درپیش آئی جس کی رو سے ۱۸۶۵ء میں تمام ریاستہائے متحدہ غلامی کی بدعت سے پاک ہو گئیں۔

دوران جنگ میں انسداد غلامی کے اعلان سے کوئی فرق نہیں واقع ہوا۔ پوٹوماک کی افواج کے نئے کمانڈر جنرل ایمبروز ای برن سائڈ کو دسمبر ۱۸۶۲ء میں نہایت تباہ کن شکست ہوئی۔ لنکن مایوس اور دل شکستہ ہو کر ایک ایسے جنرل کی تلاش میں تھے جو لڑائیوں میں میدان مار سکے اسی لئے انھوں نے برن سائڈ کی جگہ جوزف ہوکر کو مقرر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مئی ۱۸۶۳ء کے آغاز ہی میں ہوکر نے چینسلرز ولا کے مقام پر لڑائی کا رخ پلٹ دیا۔ مغرب میں جنرل یو ایس گرانٹ نے چاہا کہ وکس برگ میں کنفیڈریسی کے مضبوط قلعہ پر قبضہ جما لیں اور اس

طرح یونین کی فوجوں کے لئے دریائے مسی سپی کا راستہ کھول کر کنفی ڈریسی کے مغربی حصے کو مشرقی حصے سے علحدہ کر دیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس معرکے میں کامیاب ہونے کے بجائے خود اس دلدل میں پھنس کر رہ گئے۔

مگر یکایک قسمت یونین کا ساتھ دینے لگی۔ آخر جون میں جنرل لی نے اپنا شمالی حملہ شروع کر دیا۔ اگر یہ حملہ کامیاب ہو جاتا تو نہ صرف جنرل لی کی فوجوں کے لئے وہ سب ساز و سامان مہیا ہو جاتا جس کی ان کو اس وقت سخت ضرورت تھی بلکہ جنوب والوں کے لئے اہل یوروپ کی ہمدردی بھی دوبارہ حاصل ہو جاتی۔ یکم جولائی کو ان کی فوجوں نے پوٹوماک کی فوجوں سے ٹکر لی جو پنسل وینیا میں گیٹس برگ کے مقام پر ایک اور کمانڈر جنرل جارج گارڈن میڈ کے زیر کمان تھیں۔ دو روز تک طرفین ایک دوسرے سے دست و گریباں رہے۔ دونوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا لیکن دونوں میں سے کسی کی فیصلہ کن جیت نہیں ہوئی۔ تیسرے روز کنفی ڈریسی کے جنرل نے بددل ہو کر یکایک سامنے کے رخ سے نہایت شدید حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں بھوری پوشاک والے پندرہ ہزار جانبازوں نے یونین کے محاذ پر اپنی ساری طاقت صرف کر دی۔ انھوں نے بڑی شان کے ساتھ اپنی جنگی قوت کا مظاہرہ کیا مگر بالآخر انہیں پسپا ہونا پڑا اور میدان جنگ میں ان کی صرف آدھی فوج باقی رہ گئی۔

دوسرے روز لی نے ایک شکست خوردہ اور بددل فوج کے ساتھ جنوب کی طرف حملہ کر دیا جوں ہی اس کی فوجیں دریائے پوٹوماک کی طرف بڑھیں فوراً بذریعہ تار یہ خبر ملی کہ وکس برگ کے مقام پر کنفی ڈریسی کی فوجوں نے جنرل گرانٹ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ چوتھی جولائی ۱۷۷۶ء کو کانٹی نینٹل کانگریس نے آزادی کا اعلان کیا تھا۔ اس روز سے آج تک امریکہ کی آزادی کی سالگرہ پر اتنا جشن کبھی نہیں منایا گیا۔

جب جنرل میڈ کو گیٹس برگ کے بعد لی کا تعاقب کرنے اور کنفی ڈریسی کی افواج کو تحس نحس کرنے میں ناکامی ہوئی، اس وقت لنکن کو بہت مایوسی ہوئی۔ ان کا دل

ٹوٹ گیا۔ اس کے باوجود صدر لنکن کو وہ دن بھی دیکھنا نصیب ہوا جب شمال کو فتح پر فتح حاصل ہونے لگی۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے تمام معرکے سر کر لئے جس سے آخر کار جنگ کے کامیابی کے ساتھ ختم ہونے کا یقین ہو گیا۔ دونوں مقامات پر ایک ساتھ فتح حاصل ہونے کے چھ مہینے بعد انہوں نے اسپرنگ فیلڈ میں اپنے ایک قدیم پڑوسی کو جو چٹھی لکھی اس میں اس اعتماد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"آثار بہتر نظر آتے ہیں۔ دریاؤں کا باپ (مرادمسی سپی سے ہے) دوبارہ بلا روک ٹوک سمندر کی طرف رواں ہونے لگا ہے"۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"صلح اب اتنی دور نہیں جتنی پہلے نظر آتی تھی۔ جنگ کے خاتمے پر جس میں یونین کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہے، یہ ثابت ہو جائے گا کہ رائے دہندگی کے آگے گولی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور جو لوگ گولی کے اثر میں یقین رکھتے ہیں، ان کی شکست لازمی ہے اور انہیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے"۔

جن لوگوں نے غلاموں کی نجات کے اعلان پر اعتراض وارد کئے تھے ان کیلئے لنکن نے حسب ذیل فصیح و بلیغ اور تسلی بخش الفاظ فرمائے۔

"کچھ تو سیاہ فام ایسے لوگ ہوں گے جن کو یہ بات یاد رہے گی کہ انہوں نے خاموش زبانوں، بھینچے ہوئے دانتوں، گھورتی ہوئی آنکھوں اور جچی تلی جھڑپوں سے اس معرکۂ عظیم کے سر کرنے میں مدد کی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ سفید رنگ والے لوگ بھی ایسے ہوں گے جو اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کریں گے کہ انہوں نے کمینگی بھرے دل اور فریب آمیز گفتگو سے کام لیکر اس مہم کی کامیابی میں رخنے ڈالنے کی کوشش کی تھی"۔

لنکن یوں تو جنگ و جدل کے میدان میں نوآموز تھے لیکن اب ان کو اس فن پر بھی عبور حاصل ہو گیا تھا اور وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ ان کو اس میں مہارت حاصل ہو گئی ہے۔ یہی خیال ان کے رفقاء کار کا بھی تھا۔ لیکن اسی زمانے میں لنکن کے ایک نوجوان

سکرٹری نے جو بہت ظریف الطبع اور بذلہ سنج تھا اور کبھی حاکمان بالادست کے بیجا رعب وداب میں نہیں آتا تھا، اپنے اس بزرگ حاکم کے بارے میں لکھا تھا۔
"یہ بوڑھے بزرگوار یہاں بیٹھے ہوئے جنگل والے دیوتاؤں کے بھی دیوتا (مشتری) کی طرح نہایت مستعد اور نہایت مضبوط ہاتھ سے جنگ کے گرز اور حکومت کی مشینری چلاتے ہیں"
لیکن لڑائی دو سال تک اور جاری رہی اور یونین کو کئی بار ہزیمتیں اٹھانا پڑیں لیکن ان پسپائیوں سے نہ تو صدر کے اس یقین میں فرق آیا کہ آخر کار فتح کا سہرا انہیں کے سر رہے گا، نہ اس سے ان کے دل میں اپنے اس مقصد کی صحت میں ذرا بھی شک پیدا ہوا جس کی تکمیل میں وہ اتنی جانبازی سے کام لے رہے تھے مسلسل اتلافِ جان، مصائب انگیزی اور درد و محن کا جو سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، اس سے ان لوگوں کو اور بھی زیادہ مقابلہ آرائی کی دعوت ملتی تھی جو ابھی تک جنگ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کی زد سے بچے ہوئے تھے۔ جنگ کے چار ماہ بعد گیٹس برگ میں جنگی قبرستان کے انتساب کی رسم ادا کرتے ہوئے لنکن نے اپنے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جن بہادروں نے اس میدان جنگ میں اپنی جانیں قربان کی ہیں انہوں نے خود اپنی ایک لافانی یادگار بنا لی ہے۔ انہوں نے اپنا خون بہا کر اس سرزمین کو مقدس اور متبرک بنا دیا ہے اور دنیا کی کسی زندہ مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس تقدس میں کسی قسم کا اضافہ یا کسی قسم کی تخفیف کر سکے لیکن جو لوگ زندہ ہیں، بقید حیات ہیں، ان پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے یعنی یہ کہ جو کارِ عظیم ہمارے سامنے ہے خود کو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ وقف کر دیں یعنی جن جانبازوں نے یہاں اپنی جانیں قربان کی ہیں ان سے سبق لے کر ہم اس مقصد کی تکمیل کی جانب اور بھی زیادہ مائل ہوں جس کے لئے انہوں نے آخر دم تک ہر طرح سے مکمل قربانی کی ہے اور ہم بڑی بلند آہنگی کے ساتھ یہ قرار دیتے ہیں کہ ان بہادروں نے اپنی جانیں بیکار نہیں دی ہیں نیز یہ کہ یہ قوم خدا

کے زیر سایہ آزادی کو ایک نیا جنم دے گی اور یہ حکومت جو عامۃ الناس کی ہے جسے عامۃ الناس چلائیں گے اور جس کا مقصد عامۃ الناس کو فائدہ پہونچانا ہے صفحۂ زمین سے کبھی ناپید نہیں ہو گی۔

یہ تھا ساری باتوں کا لب لباب یعنی یونین کی بحالی خود یونین کی اپنی غرض کیلئے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ ساری دنیا کے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک جدید طریقے کی حکومت یعنی جمہوریت شدید ترین حملے کے مقابلے میں بھی اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔

۱۸۶۴ء میں لنکن کے چار سالہ عہدے کی میعاد ختم ہو رہی تھی۔ خود ان کی پارٹی ہی میں ان کے کئی مخالف تھے۔ لوگ ان پر یا تو تذبذب کا الزام لگاتے تھے یا پھر انہیں تاناشاہ کہتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ دشمن کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اکثر اشخاص انہیں مٹی کا مادھو کہا کرتے تھے لیکن جماعت کا نظم و ضبط بالآخر مخالفتوں پر غالب آگیا اور انہیں صدارت کے عہدے کے لئے دوبارہ نامزد کر دیا گیا لیکن محض نامزد ہونے سے یہ ضروری نہیں تھا کہ نامزدہ کو انتخاب میں بھی کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ ڈھو کر ٹیک پارٹی کے اکثر ممبر مایوسی اور بد دلی سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب یونین کو فتح نہیں حاصل ہو گی اس لئے وہ مکمل اطاعت کے علاوہ اور ہر قسم کی شرط پر جنوب کے ساتھ صلح کرنے کیلئے رضامند تھے۔ جنگی واقعات نے بھی کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ ان کی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ ۱۸۶۴ء کے موسم بہار میں گرانٹ نے جو اس زمانے میں یونین کی افواج کے سپہ سالار تھے پوٹوماک کی فوجوں کو عین اس وقت رچمانڈ اور ورجینیا کی طرف جھونک دیا جب جارجیا میں شرمن اٹلانٹا کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ وسط گرما میں دونوں سپہ سالاروں میں کوئی بھی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہونچ پایا اور تمام ملک پر مایوسی کے بادل چھا گئے مشرق میں گرانٹ کی فوجوں نے اتنے آدمیوں کو بستر خاک پر سلا دیا تھا کہ اخباروں میں جب بھی ان کا ذکر آتا تو انہیں قصائی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور جب انہوں نے رچمانڈ کا محاصرہ کر لیا اس وقت بھی کتنی ٹریسی کے دارالخلافہ میں ہتھیار ڈال دینے کے

کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ شرمن مضبوطی کے ساتھ مسلسل پیش قدمی کر رہا تھا آگے بڑھتا چلا آتا تھا پھر بھی منزل مقصود دور ہی تھی۔ اب صدر لنکن کو مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اگست کے مہینے میں ایک روز صبح کے وقت انھوں نے اپنی کابینہ کے ایک رکن سے یہ بتائے بغیر کہ اس میں کیا لکھا ہے ایک تحریر پر دستخط کرنے کے لئے کہا۔ اس تحریر میں لنکن نے لکھا تھا۔

"جیسا کہ کئی دنوں سے دیکھا جا رہا ہے آج صبح بھی یہ بدرجہ غایت اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس حکومت کے ارکان انتخاب میں دوبارہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ ایسی حالت میں میرا یہ فرض ہو گا کہ جو صاحب بھی آئندہ صدر منتخب ہوں میں ان کے ساتھ اس صورت سے اشتراک عمل کروں کہ انتخاب اور افتتاح کے درمیانی زمانے میں یونین محفوظ رہے۔ کیونکہ ان صاحب کا انتخاب کچھ ایسے اسباب پر منحصر ہو گا کہ بعد میں ان کے لئے یونین کو بچانا محال ہو جائے گا۔"

آٹھ روز کے بعد اٹلانٹا نے اطاعت قبول کر لی۔ شمالیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ریپبلکنوں کا مستقبل روشن نظر آنے لگا۔ نومبر کے آغاز میں لنکن انتخاب میں پھر جیت گئے اور وہ دوبارہ صدر چن لئے گئے۔ اس مرتبہ وہ چار لاکھ ووٹوں کی قطعی اکثریت سے جیتے۔ اپنے امتیازی اور مخصوص عجز و انکسار کے ساتھ انہوں نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ ان کا انتخاب ان کی ذاتی خوبیوں کا نتیجہ ہے۔ اپنے مداحوں کے ایک حلقے کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "انتخاب سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جمہوریت میں ارکین حکومت کا انتخاب بڑی سے بڑی قومی مصیبت کے زمانے میں بھی عمل میں آ سکتا ہے مگر اس سے بغاوت کا خاتمہ نہیں ہوا۔" انہوں نے سوال کیا۔

"تو پھر کیا ہم لوگوں کو جن کا مفاد مشترک ہے اپنے مشترکہ وطن کی حفاظت کے سوال پر باہم دیگر متحد نہیں ہو جانا چاہیئے؟ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے حتی الامکان اسی بات کی کوشش کی ہے اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا کہ

میری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جو ہمارے لئے سد راہ ثابت ہو۔ جتنے دنوں سے میں یہاں ہوں میں نے کبھی دیدہ و دانستہ کسی کے سینے میں کانٹا نہیں چبھویا ہے۔"

مارچ ۱۸۶۵ء کی چوتھی تاریخ کو لنکن نے جب اپنے عہدے کا دوبارہ حلف اٹھایا اس وقت صاف طور پر جلد از جلد خاتمہ جنگ کے آثار نظر آنے لگے تھے شرمن نے اٹلانٹا سے ساونا تک جو بحر اوقیانوس کے ساحل پر واقع ہے، تباہی و بربادی کا عالم برپا کر رکھا تھا اور اب وہ گرانٹ کے ساتھ شمال کی سمت ایک مقام اتصال کی جانب بڑھ رہا تھا۔ گرانٹ نے پہلے ہی آہستہ آہستہ رچمانڈ اور لی کی افواج کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا تھا انہیں ہر طرف سے گھیر لیا تھا مغرب کی سمت کنفیڈریسی کی آخری مضبوط فوج فیڈرل افواج کے ہاتھوں تحس نحس ہو چکی تھی۔

ایسی صورت حالات میں اکثر اشخاص خوشی سے اچھل پڑتے ہوں گے مگر لنکن پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ اس مہیب مجادلے کے درمیان شروع سے آخر تک خدا کے جو کرشمے دیکھنے میں آئے لنکن ان پر غور کرتے رہتے، ان پر استغراق کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ حالانکہ لنکن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ آخر خدائے تعالیٰ کی مرضی کیا ہے۔ ایک دانائے کل اور قادر مطلق کی ہستی میں ان کا ایمان کبھی متزلزل نہ ہو سکا۔

لنکن کے عہدۂ صدارت پر متمکن ہونے سے ایک ماہ سے کچھ کم بیشتر لی نے نہایت بے جگری کے ساتھ اپنا آخری حملہ کیا۔ اس نے رچمانڈ سے سلسلہ منقطع کر لیا اور مغرب کی سمت فرار ہونا چاہا۔ ایک ہفتہ کے بعد یونین کی افواج کثیرہ نے لی کی گھٹتی ہوئی فوج کو جا گھیرا۔ ۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو لی نے اطاعت قبول کر لی۔ لڑائی ختم ہو گئی۔

لی کے اطاعت قبول کرنے کے دو روز بعد تھکے ماندے اور دبلے پتلے صدر نے جن کا چہرہ مسلسل چار سال کے فکر و تردد سے نڈھال ہو رہا تھا، ایک مجمع کا خیر مقدم کیا جو وہائٹ ہاؤس کے سبزہ زار پر اکٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس مجمع سے فرمایا۔

"ہم یہاں رنج و غم کی حالت میں یکجا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں بڑی

مسرت ہے بڑی خوشی ہے پیٹرز برگ اور رچمانڈ کے انخلا اور اصلی باغی فوج کے اطاعت قبول کرنے سے یہ امید پیدا ہو چلی ہے کہ صلح اب جلد ہو جائے گی جو راستی اور نیکی پر مبنی ہوگی، مقدس ہوگی اور اس پر جس قدر اظہار مسرت کیا جائے بجا ہے کوئی اس جذبے کو ضبط نہیں کر سکتا اور اس تمام ہنگامہ آرائی کے دوران میں ہمیں اس ہستی کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہئے جس کی ذات سے تمام برکات کا نزول ہوتا ہے۔ تمام قوم کی طرف سے شکر و سپاس کا اظہار کرنے کے لئے ایک اعلان تیار کیا جا رہا ہے اور وہ باقاعدہ طور پر جاری کیا جائے گا۔"

لیکن یہ اعلان لنکن کے نام سے کبھی نہ بھیجا جا سکا اور نہ ان کے دستخط سے خاتمہ جنگ کے سلسلے میں کوئی یادداشت قلم بند کی جا سکی۔ ۱۴ اپریل کی رات کو وہ اپنی زوجہ محترمہ مسز لنکن کے ساتھ تھیٹر دیکھنے گئے اور ابھی کھیل آدھا ہی ختم ہوا تھا کہ ایک نیم پاگل اداکار جان ولکس بوتھ جس کے دل میں جنوبیوں کی طرف سے بدلہ لینے کا جذبہ مشتعل ہو رہا تھا، چپکے سے تھیٹر میں داخل ہو گیا اور اس نے قریب جا کر ان پر گولی چلا دی۔ صدر لنکن فوراً بے ہوش ہو گئے۔ پھر انہیں ہوش ہی نہیں آیا۔ دوسرے روز ان کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ جس وقت وہ آخری سانس لے رہے تھے ان کی کابینہ کے ایک رکن نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"اب تو وہ ہر دور کے انسان ہو گئے ہیں"

لنکن کی اس ناگہانی اور جگر خراش موت نے رات بھر میں انہیں ہیرو بنا دیا ان کے سخت سے سخت نکتہ چینیوں پر بھی ان کی موت کا اثر پڑا اور وہ بڑی دل سوزی کے ساتھ ان کے گن گا رہے تھے۔ اس کے باوجود یہ کہنا غلط ہے جیسا کہ اکثر امریکیوں کا خیال ہے کہ لنکن کی عظمت کا اعتراف ان کے جیتے جی کسی نے نہیں کیا۔ جب انہوں نے گیٹس برگ میں تقریر کی تو ایڈورڈ ایورٹ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لنکن کے کمال کا اعتراف کیا۔ ایڈورڈ ایورٹ اس موقع کے مقرر خصوصی تھے اور ان کا شمار اپنے زمانے کے شائستہ ترین انسانوں میں تھا۔ جو بیس گھنٹے پیشتر ایورٹ

نے صدر لنکن کو لکھا تھا کہ۔

"میں بہت خوش ہوں اگر میں اپنے لئے یہ ایک بڑی بات سمجھوں کہ میں نے دو گھنٹے میں اس موقع کے مرکزی خیال کو سمجھ لیا جس کو سمجھنے میں آپ کو صرف دو منٹ لگے۔"

لنکن کے دوسرے افتتاحیہ خطبے کے تین روز بعد چارلس فرانسیس ایڈمز جونیر نے جو ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جس کا اپنی ذہانت و فطانت نیز اپنی رہنمایانہ صلاحیت کے لحاظ سے دور دور تک شہرہ تھا، اپنے باپ کو جو ریاست ہائے متحدہ کے وزیر برائے برطانیہ عظمیٰ تھے، لکھا تھا "میں اس افتتاحیہ خطبہ کی عظیم الشان سادگی اور اس کی صاف گوئی سے بہت متاثر ہوں۔ یہ خطبہ ہر زمانے کے لئے اس جنگ کا ایک تاریخی حیثیت رکھنے والا کلیدی نکتہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس خطبے کی تہہ میں ایک قوم کی قوم اس بلند مرتبہ سادگی کا لہجہ لئے ہوئے بول رہی ہے جو زمانۂ جاہلیت کا طرۂ امتیاز تھی۔"

لنکن کے ہم وطنوں نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا تو اکثر اہل یورپ بھی اس کے قائل ہو گئے۔ انگریزی زبان کا رسالہ پنچ بڑی بے دردی کے ساتھ لنکن کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا اس نے بھی طنز و استہزاء کا سلسلہ بند کر کے صدر امریکہ کو "نوع انسانوں کا پیدائشی بادشاہ" قرار دیا۔ اس "نجات دہندۂ اعظم" کے بارے میں ڈزرائیلی نے کہا کہ "انہوں نے ایک سخت ترین امتحان میں جس میں انسان کے اخلاقی صفات کی آزمائش کی گئی تھی، اپنا فرض نہایت سادگی اور ثابت قدمی کے ساتھ ادا کیا" فرانس کے آزاد خیال (لبرل) حضرات نے وکٹر ہوگو، لوئی بلینک اور یوجین پلیٹان کی قیادت میں ایک تمغہ بنوایا جس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔

"جمہوریت فرانس کی طرف سے ان لنکن کے نام جو دو مرتبہ ریاستہائے متحدہ کے صدر منتخب ہوئے، ان لنکن کے نام جو ایک ایماندار انسان تھے جنہوں نے غلامی کا انسداد کیا۔ یونین کو دوبارہ قائم کیا اور آزادی کو مستور کئے بغیر

ری پبلک کو بچالیا۔"

ایک معاصر مشاہدہ کار نے لکھا کہ "جب لنکن کے انتقال کی خبر سویڈن پہنچی تو ہمارے ہم وطنوں نے غضب ناک ہوکر اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور ہماری نیلگوں چشم عورتوں نے اس عظیم انسان کے سوگ میں آنسو بہائے۔"

لنکن کی عظمت کا وسیع پیمانے پر اعتراف آئندہ چل کر ہوا۔ جنگ کے تمام و کمال حالات اور اس جنگ میں لنکن نے جو حصہ لیا، اس کے بارے میں تذکرے شائع کئے گئے۔ ۱۸۶۴ء میں لنکن کا وہ شہرۂ آفاق اور ہمدردانہ خط شائع ہوا جو انہوں نے مسز بکسبی کے نام اس موقع پر لکھا تھا جب موصوفہ کے صاحبزادے جنگ میں کام آئے تھے۔ اس خط میں لنکن نے لکھا تھا۔

"میری دعا ہے کہ ہمارا آسمانی باپ اس صدمہ جانکاہ میں آپ کو صبر و سکون عطا فرمائے اور ان عزیزوں اور ہم سے بچھڑ جانے والوں کی یادگار آپ کے دل میں قائم و باقی رکھے اور آپ کو اس بات پر فخر گراں حاصل ہو کہ آپ نے آزادی کی قربان گاہ پر اتنی بیش قیمت بھینٹ چڑھائی ہے۔"

یہ خط ۱۸۶۴ء ہی میں لکھا گیا اور اسی سال شائع بھی ہوا۔ لیکن لنکن کو اس موقع پر مسز بکسبی کے ساتھ کتنی نیک نفسی سے بھری ہوئی ہمدردی تھی اس کا اندازہ لوگوں کو لنکن کی وفات کے بعد ہوا۔ ایک ایک سپاہی نے اس بات کی تصدیق کی کہ جب بھی جنگی ضابطوں کو توڑنے کے جرم میں سخت سزا دی جاتی تھی لنکن خود اسے معاف کر دیتے تھے۔ اور اکثر مائیں ذکر کیا کرتی تھیں کہ لنکن اپنی ان مشکلات کے دوران میں بھی جن کے بوجھ سے وہ بری طرح دبے ہوئے تھے ان کے خاوندوں اور لڑکوں کو فوج سے چھٹی دیدیتے تھے بشرطیکہ انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ بڑی تکلیف میں ہیں۔

لنکن کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے بھی کسی قسم کی آزردگی نہیں تھی جن لوگوں کے کہنے سے جنوب کی ریاستوں نے علیحدگی اختیار کی تھی اور جنہوں نے خانہ جنگی

میں ان کی رہنمائی کی تھی۔ جب خود ان کی پارٹی کے لوگ مخالفوں کو سخت سزائیں دینے کے لئے کہتے تھے اس وقت بھی لنکن کا کہنا یہی تھا کہ "کسی کے خلاف فیصلہ صادر نہ کرو مبادا کوئی تمہارے خلاف بھی فیصلہ صادر کر دے۔"

لیکن جمہوریت کے اس علمبردار کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگائے جانے کے قبل ہی دنیا جمہوریت کی طرف خود قدم بڑھانے لگی تھی۔ اب جا کر روز افزوں تعداد میں لوگوں کی سمجھ میں یہ آنے لگا کہ لنکن نے ایک ایسی چیز کی حمایت میں آواز اٹھائی تھی جو ایک قیاسی قسم کی حکومت سے کہیں زیادہ بڑی تھی اور یہ کہ وہ ایک ایسے طریق زندگی کے حامی تھے جس میں ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کے لئے حتی المقدور زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو سکیں۔

دنیا کو بھی یہ حقیقت نظر آئے گی کہ لنکن اپنے آدرش اپنے نصب العین کی کس قدر پابندی کرتے تھے۔ دل میں یہ یقین رکھ کر کہ آئین کی رو سے انہیں ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے انہوں نے امریکہ کے کسی دوسرے صدر کے مقابلہ میں اپنے مطلق العنان اختیارات کا زیادہ استعمال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نکتہ چینوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور یہ نکتہ چیں بڑے صاف گو تھے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا اور صحیح حالات معلوم ہوتے گئے دنیا نے دیکھ لیا کہ لنکن نے آمرانہ حکومت قائم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ بہت سے لوگوں کو غیر وفادار ہونے کے باعث قید و بند کی سزا دی گئی مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد انہیں رہا بھی کر دیا گیا اور جب حد سے زیادہ پرجوش افسروں نے نکتہ چینی کرنے والے اخباروں کو دبانا چاہا تو انہوں نے ان افسروں کے احکام منسوخ کر دیئے۔ جنگ کے دوران تمام قوم میں دو مرتبہ انتخاب کا موقع آیا اور لنکن کے سخت سے سخت مخالفوں کو بھی یہ شک نہیں ہوا کہ وہ لوگوں کی مرضی کو نظر انداز کرنا چاہتے تھے۔

# ابراہیم لنکن کی شکل وشباہت

صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں اسپرنگ فیلڈ سے لنکن کی روانگی سے قبل تقریباً سولہ سال سے زیادہ عرصہ تک ہرنڈن اس عجیب وغریب انسان کے ایک ہر وقت کے ساتھی تھے اور ان کی زندگی کے ہر گوشے پر نظر رکھتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے ایک نزدیکی دوست ہنری سی وہٹنے کا فرمانا ہے کہ ہرنڈن لنکن کے سیاسی مشیر تھے وہ ان کے ایک نزدیک ترین سیاسی اور ذاتی دوست تھے اور لنکن کی سیاسی زندگی پر کوئی بھی دوسرے دس آدمیوں کے مجموعی اثر کے مقابلہ میں ان کا اثر بہت زیادہ پڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۶۰ء کے قبل لنکن کی زندگی سے متعلق کوئی تواریخ ہرنڈن کے ہاتھ کی لکھی تحریروں کے بغیر وجود میں آہی نہیں سکتی تھی۔ صدر لنکن کی ہلاکت کے تھوڑے ہی دنوں بعد سے ہرنڈن نے اپنی زندگی کے باقی حصے میں یا یہ کہیے کہ اس حصۂ زندگی میں جو ان کی غیر معین کسب معاش کے کاموں سے بچ رہتا تھا لنکن کے متعلق اصلی ماخذوں سے مواد یکجا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لنکن کا مندرجہ ذیل خاکا ہرنڈن کے اس لکچر سے اخذ کیا گیا ہے جسے انہوں نے پہلے اسپرنگ فیلڈ واقع الی نوائس میں ۱۲ ر دسمبر ۱۸۶۵ء کو ارشاد فرمایا تھا۔

"اب وقت آگیا ہے کہ لنکن کی شخصیت کے بارے میں کچھ بتایا جائے۔ ان کا قد تقریباً چھ فیٹ چار انچ تھا اور جب وہ شہر سے روانہ ہوئے اس وقت ان کی عمر اکاون سال تھی۔ اس زمانے میں ان کی صحت اچھی تھی۔ سر کا کوئی کوئی بال ہی سفید ہوا تھا۔ وہ دبلے پتلے انسان تھے جسم کی رگیں اور پٹھے ابھرے ہوئے تھے۔ ان کی ہڈی ہڈی دکھائی دیتی تھی۔ ہڈیاں بڑی اور بھاری تھیں۔ سینے سے

پیٹھ تک کا حصہ دبلا پتلا تھا۔ شانوں کے درمیان کا حصہ تنگ تھا جب کھڑے ہوتے جسم آگے کی طرف جھک جاتا کاندھے ڈھلوان تھے معلوم ہوتا تھا کوئی تپ دق کے مرض میں مبتلا ہے۔ وزن عام طور پر ۱۶۰ یا ۱۸۰ پونڈ رہتا تھا۔ اعضا ڈھیلے ڈھالے تھے جسم کی ساخت ہی کچھ ایسی تھی۔ جبڑا سخت تھا جسم سمٹا سمٹا اور سکڑا سکڑا سا تھا مردنی سی چھائی رہتی تھی۔ از سر تا پا جھریاں ہی جھریاں نظر آتی تھیں۔ جلد گہرے بھورے رنگ کی تھی۔ اور خشک بھی تھی اور سخت بھی۔ جلد جھری دار تھی اور اس کی تہیں لٹکتی تھیں۔ سر کے بال بھورے تھے چہرہ اداس اداس سا رہتا جسم بھی سستی سے کام کرتا تھا۔ دماغ بھی آہستہ چلتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جسم سے چرچراہٹ کی سی آواز آتی ہے معلوم ہوتا تھا انہیں تیل مالش کی ضرورت ہے۔ جسمانی قوت کے لحاظ سے نہایت تنومند اور قوی الجثہ تھے ۱۸۰ یا ۲۰۰ سو پونڈ کا وزن اٹھا لینا معمولی بات تھی۔ چلنے پھرنے میں بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے لیکن ہر قدم مضبوطی کے ساتھ اٹھتا ان کے لمبے لمبے اور بڑی ہڈیوں والے بازوؤں پر رکھے ہوئے ہاتھ جناتی ہاتھوں کی طرح لٹکتے اور جھولتے۔ دونوں پیروں کا اندرونی حصہ متوازی ہوتا۔ بوجھ ایڑیوں پر نہیں پڑتا تھا اسی طرح جب وہ پاؤں اٹھاتے پورا پاؤں اٹھ جاتا۔ انگوٹھوں کی طرف سے نہیں اٹھتا تھا۔ ان کے چلنے میں نام کو بھی لچک نہ تھی اور نہ بظاہر پاؤں سہولت کے ساتھ اٹھتا تھا وہ لہراتے ہوئے چلتے تھے بدن اوپر اور نیچے کی طرف حرکت کرتا تھا۔ وقت ان کی گرفت میں تھا ہر وقت تھکاوٹ اور ماندگی کا غلبہ رہتا جس سے ایک حالت قائم نہ رہتی۔ کوئی اجنبی یا ایسا شخص جس نے لنکن کو کبھی قریب سے نہ دیکھا ہو لنکن کے انداز رفتار کے متعلق جو رائے سب سے پہلے قائم کرتا وہ یہ ہوتی کہ لنکن بڑے چالباز قسم کے آدمی ہیں وہ ایک ایسے شخص ہیں جن کا مطالعہ تو قریب سے کیا جا سکتا ہے مگر جن پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا بایں ہمہ ان کی چال ڈھال سے احتیاط اور مضبوطی ٹپکتی تھی۔ ایک معمولی کرسی، تپائی یا زمین پر بیٹھے ہوئے وہ سر سے پاؤں تک کسی اوسط قسم کے انسان کے مقابلے میں کسی طرح سے بھی بہتر انسان نہیں نظر آتے تھے۔ ایک اوسط انسان کے مقابلے میں ان کی ٹانگیں بھی غیر معمولی طور پر دراز تھیں اور ان کے بازو بھی اگرچہ شاید ان کے

یہ اعضا خود ان کی جسامت اور انکے پورے قد و قامت کے لحاظ سے سڈول ہوں گے مجھے تو ان کے بازوؤں، ان کے ہاتھوں، ان کے پیروں اور ان کی ٹانگوں میں کوئی چیز بھی ایک اوسط انسان کے مقابلے میں ان کے جسمانی توازن اور تناسب کے مطابق نظر نہیں آتی تھی لنکن جس وقت پاؤں کے بل کھڑے ہوتے تو دوسرے کئی انسانوں پر چھا جاتے تھے وہ اس وقت ایک دیو نظر آتے تھے۔

لنکن کا سر لمبا تھا اور ابروؤں کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک دونوں طرف دماغ کی سطح سے کافی اونچا تھا۔ سر پیچھے کی طرف چلا جاتا تھا۔ ان کی پیشانی کلے کی پیشانی کی طرح جھکنے پر پست زاویہ بناتی ہوئی اٹھتی تھی اور ویبسٹر کی پیشانی کے بخلاف قریب قریب مستقیم تھی سیدھی تھی۔ ہیٹ بنانیوالے کے قالب کی ناپ کے مطابق پیشانی کی ناپ ۷ ⅛ انچ تھی اور ایک کان سے دوسرے کان تک ان کے سر کی ناپ ۶ ½ انچ تھی گویا اس کی ناپ عام طور پر جو پیشانی کی ناپ ہوتی ہے اس سے کم نہ تھی۔ پیشانی تنگ ضرور تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ اونچی تھی۔ بال بھورے نہیں بلکہ قریب قریب سیاہ تھے اور جب وہ انگلی بالوں پر رکھتے یا ہوا ان میں سے ہو کر گزرتی تو بال لہرانے لگتے بال گچھے دار بھی تھے لیکن یکایک بکھر بھی جاتے تھے۔ گالوں کی ہڈیاں اونچی نکیلی اور ابھری ابھری سی تھیں۔ بھویں بھی گنجان اور نمایاں تھیں جبڑے لمبے اوپر کی طرف مڑے ہوئے، ان کی جسامت بڑی تھی وہ ٹھوس مضبوط اور بھاری معلوم ہوتے تھے۔ ناک بھی بڑی تھی لمبی تھی نکیلی تھی دائیں آنکھ کی طرف کچھ جھکی سی تھی ٹھوڑی لمبی تھی نکیلی تھی اور اس میں کسی طرح کا جھکاؤ نہیں تھا۔ بھوؤں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ کسی پہاڑی کے دامن سے چٹانیں سی ابھر رہی ہیں۔ چہرہ لمبا تنگ زردی مائل جس سے حزونی ٹپکتی تھی۔ چہرے کی کھال سکڑی سکڑی سمٹی سمٹی جھریوں دار خشک چہرے پر ادھر ادھر کچھ بال بھی تھے۔ گالوں کا رنگ زعفرانی، ان کی جلد لٹکتی ہوئی کان بڑے بڑے تھے اور سر کے پاس دونوں طرف سے قریب قریب زاویہ قائمہ بناتے ہوئے اٹھے ہوئے تھے۔ ان کے اس حلیے کی وجہ ان کی بھاری ہیٹ بھی تھی۔

ہیٹ میں وہ اپنا سوتی یا کسی اور چیز کا بنا ہوا رومال، اپنی بینک والی پاس بک، اپنی چٹھیاں اور اپنی یادداشتیں رکھتے تھے۔ کسی قدر اس حلیے میں قدرت کا بھی ہاتھ تھا۔ شانوں پر سر کافی متوازن تھا چھوٹی چھوٹی اور بھوری بھوری آنکھیں اپنے صحیح مقام پر تھیں۔ دائیں گال پر منہ کے دائیں جانب کے گوشے سے کسی قدر اوپر ایک تل تھا اور گلے میں گھیگھا تھا۔ اس بھدی اور بے ہنگم ظاہری شباہت کے نیچے ایک نہایت نفیس تنظیم تھی، اعصاب کا ایک لطیف اور نازک جال پھیلا ہوا تھا .. اور اسی جال سے ان کے احساسات اور خیالات مترشح ہوتے تھے۔ بجلی سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ان میں ایک چمک سی پیدا ہوتی تھی۔

اس طرح یہ عجیب و غریب اور انوکھی طرز کا واحد انسان کھڑا ہوتا تھا چلتا پھرتا تھا دیکھتا تھا محسوس کرتا تھا سوچتا تھا ارادہ کرتا تھا حرکت کرتا تھا۔ ان کی شخصیت سے غرابت ٹپکتی تھی۔ بے لچک قسم کے انسان تھے سیدھے سادے لیکن جب کبھی لنکن انسانی آزادی کی حمایت میں زبان کھولتے، اعلان آزادی کی بیان کردہ حقیقتوں کا ذکر فرماتے یا انصاف اور لافانی راستی کی علمبرداری پر آمادہ ہو جاتے تو ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور ان کا چہرہ جذبات کے مشتعل ہونے پر روح باطنی کی روشنی سے جگمگا اٹھتا۔ اس وقت یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کے بظاہر بھدے اور سادے خط و خال سے حسن امڈا پڑ رہا ہے۔ وہ ایک ایسی الہامی کیفیت کے بحر زخار میں غرق ہو جاتے جو ایسے مواقع پر ان کے مردانہ چہرے سے ٹپکنے لگتی تھی۔ بعض مرتبہ تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ لنکن بالکل ابھی ابھی اپنے خالق کے دربار سے اور اس کے ہاتھوں سے خلعت وجود پاکر ہمارے سامنے چلے آ رہے ہیں۔

••

# لنکن کے خود نوشت حالات

میں ۱۸۰۹ء میں ۱۲ ویں فروری کو بمقام ہارڈن کاؤنٹی واقع کنٹکی پیدا ہوا۔ میرے ماں باپ دونوں غیر معروف خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، اور ورجینیا میں پیدا ہوئے تھے۔ غالباً میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے خاندان دوسرے درجے کے خاندان تھے۔ جب میں دس سال کا تھا میری ماں کا انتقال ہوگیا۔ وہ ہینکس خاندان میں پیدا ہوئی تھیں ان کے خاندان کے کچھ لوگ آدمز اور کچھ الی نوائس کی میکن کاؤنٹیوں میں آباد ہیں۔ میرے دادا ابراہیم لنکن ورجینیا کی راکنگھم کاؤنٹی سے ترک وطن کر کے تقریباً ۱۷۸۱ء یا ۱۷۸۲ء میں کنٹکی آئے تھے جہاں وہ ایک دو برس بعد انڈینوں[1] کے ہاتھوں مارے گئے۔ لڑائی میں نہیں بلکہ کسی نے انہیں چھپ کر عین اس وقت ہلاک کر دیا جب وہ جنگل میں ایک فارم کھولنے کے لئے مشقت کر رہے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق کویکر طبقے سے تھا وہ پینی سلوینیا کی برکس کاؤنٹی سے ورجینیا آئے تھے۔ نیو انگلینڈ میں اسی نام کا ایک خاندان آباد تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں خاندان ایک ہی ہیں مگر یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ دونوں خاندانوں کے عیسائی نام یکساں تھے مثلاً ای نوک، لیوی، مورڈی کائے، سالومن، ابراہیم اور اسی طرح کے دوسرے نام۔ بہر حال دونوں میں باہمی مماثلت کا کوئی اور قطعی

---

[1] انڈینوں سے مراد ہندوستانی نہیں ہے۔ انڈین امریکہ کے ابتدائی باشندوں کو کہتے تھے اس لئے کہ کولمبس ہندوستان کی تلاش میں جب نکلا تو امریکہ جا پہنچا اور جس خطے میں وہ پہنچا وہ اس کو انڈیا سمجھ بیٹھا اسی لئے اس خطے کے باشندوں کو انڈین کہتے ہیں۔ (مترجم)

ثبوت دستیاب نہیں ہوا۔ میرے والد میرے دادا کی وفات کے وقت صرف چھ سال کے تھے جب وہ عمر میں بڑے ہوئے تو انہیں لکھنا پڑھنا بالکل نہیں آتا تھا۔ جب میں دس سال کا ہوا وہ کنٹکی چھوڑ کر اس مقام پر چلے گئے جس کو اب اسپنسر کاونٹی کہتے ہیں۔ یہ کاونٹی انڈیانا میں واقع ہے۔ ہم لوگ اس نئے وطن میں اس وقت پہنچے جب انڈیانا کی ریاست یونین میں شامل ہوئی ہی تھی۔ یہ علاقہ ایک صحرائی خطہ تھا جس میں ریچھ اور دوسرے جنگلی جانور کثرت سے پائے جاتے تھے میں وہیں بڑا ہوا۔ اس جگہ کچھ مدرسے تھے لیکن اس زمانے میں معلم کے لئے اور کسی قابلیت کا ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا اور حساب میں قاعدہ اربعہ متناسبہ کا جاننا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی ادھر ادھر سے آجانے والا مسافر جو لاطینی زبان میں کچھ شد بد رکھتا تھا، اتفاق سے اس گرد و نواح میں آجاتا تو لوگ اسے جادوگر سمجھتے تھے۔ دل میں تعلیم کے لئے ولولہ اور شوق ابھارنے والی تو کوئی بات تھی ہی نہیں۔ فی الواقع جب میں بڑا ہوا اس وقت مجھے کچھ زیادہ واقفیت نہ تھی پھر بھی میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ اور قاعدہ اربعہ متناسبہ سے واقف تھا اور بس یہی سب کچھ میرا مبلغ علم تھا۔ اس زمانے سے آج تک میں نے کبھی مدرسے کی صورت نہیں دیکھی۔ میری تعلیم میں جو کچھ تھوڑا بہت اضافہ ہوا ہے وہ وقتاً فوقتاً ضرورت کے تقاضوں کا نتیجہ تھا۔

مجھے فارم کے کام پر لگا دیا گیا جہاں میں نے ۲۲ سال کی عمر تک کام کیا اس کے بعد میں الی نوائس چلا آیا اور وہاں میں نے میکن کاونٹی میں پہلا سال گذارا پھر میں نیو سلیم جا پہنچا۔ (نیو سلیم اس وقت تک سنگامن کے علاقہ میں تھا اب منارڈ کاونٹی میں ہے۔ جہاں میں نے ایک ذخیرے میں کلرک کی حیثیت سے ایک سال تک کام کیا تھا) اس کے بعد بلیک ہاک کی جنگ چھڑ گئی۔ مجھے والنٹیروں کا کپتان چن لیا گیا۔ اس کامیابی سے مجھے جتنی خوشی حاصل ہوئی اتنی آج تک کسی اور بات سے نہیں حاصل ہوئی۔ میں نے اس معرکے میں حصہ لیا۔ میں فرط مسرت سے جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ اسی سال (یعنی ۱۸۵۲ء میں) میں آئین ساز انجمن کی رکنیت

کے لئے امیدوار بنا مگر مجھے شکست ہوئی۔ میری زندگی میں صرف یہی وہ موقع تھا جب مجھے عوام لناس کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ دوسری مرتبہ میں آئین ساز انجمن کا رکن منتخب ہو گیا اور اس کے بعد مسلسل تین مرتبہ اس دو سالہ انتخاب میں مجھے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ اس کے بعد میں نے امیدواری کی ہی نہیں۔ میں نے آئین سازی کی انجمن کی رکنیت کی اس مدت کے دوران میں قانون پڑھ لیا تھا۔ اور پھر میں وکالت کرنے کے لئے اسپرنگ فیلڈ چلا گیا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں میں ایک مرتبہ کانگرس کے نچلے ایوان کا رکن چن لیا گیا۔ دوبارہ انتخاب کے لئے میں امیدوار نہیں بنا۔ ۱۸۴۹ء سے لیکر ۱۸۵۴ء تک جس میں دونوں سال شامل تھے پہلے کے مقابلہ میں میں نے زیادہ مشقت اور جانفشانی کے ساتھ وکالت کی۔ سیاسیات میں میں وہگ پارٹی کا ہم خیال تھا اور عام طور پر وہگ پارٹی کے انتخابی ٹکٹوں پر امیدوار ہوتا تھا اور بڑی مستعدی کے ساتھ اپنی کنویسنگ کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ سیاسیات میں میری دلچسپی کم ہونے لگی تھی مگر اسی زمانے میں مسوری کے صلحنامے نے مجھے پھر اس کی طرف مائل کر دیا۔ اس کے بعد سے جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے۔

اگر یہ ضروری سمجھا جائے کہ میں اپنا ذاتی حلیہ بھی بیان کروں تو میں بتانا چاہتا ہوں کہ میرا قد بلندی میں تقریباً چھ فیٹ ہے۔ میرے جسم پر گوشت کم ہے دبلا پتلا ہوں اوسطاً میرا وزن ۱۸۰ پونڈ ہے۔ سیاہ فام ہوں میرے بال بہت کالے ہیں۔ آنکھیں بھوری ہیں اور کوئی نشان یا علامت یاد نہیں۔

••

# یونین کے بارے میں

## امریکہ

جہاں تک علاقہ کی وسعت، زمین کی زرخیزی اور آب وہوا کے صحت بخش ہونے کا تعلق ہے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم روئے زمین کے حسین ترین حصے پر قابض ہیں اور پرامن اور پرسکون طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری حکومت کا طریقہ ایسے سیاسی دستوروں پر منحصر ہے جن سے ہمیں اتنی شہریت اور مذہبی آزادی حاصل ہوئی جتنی پہلے کسی زمانے میں انسان کو حاصل نہیں ہوئی تھی نیز یہ کہ جتنی بھی بنیادی برکتیں ہوسکتی ہیں ہم خود کو ان کا قانونی وارث پاتے ہیں۔ ہمیں ان کے حاصل کرنے یا قائم کرنے میں کوئی محنت نہیں کرنا پڑی۔ یہ وراثت ان بزرگوں کی نسل سے ہمیں حاصل ہوئی ہے جو کسی زمانے میں نہایت جفاکش، بہادر اور محب وطن تھے، لیکن جن کا اب ہم سوگ مناتے ہیں۔ یہ ہمارے بزرگوں کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے پہلے اس متبرک سرزمین پر خود قبضہ کیا اور ان کے توسل سے یہ قبضہ ہم تک منتقل ہوا۔ انہوں نے اپنا کام بڑی ہی شرافت سے انجام دیا۔ انہوں نے اس کی پہاڑیوں پر اور وادیوں میں حریت اور مساوات حقوق کی عالیشان سیاسی عمارت تعمیر کی اور یہ ہمارا کام ہے کہ ان دونوں برکتوں (اپنی متبرک سرزمین اور حریت اور مساوی حقوق کی سیاسی عمارت) کو اس تازہ ترین نسل تک پہنچا دیں جن سے واقف ہونے کا موقع دنیا والوں کو تقدیر کی بدولت ملے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ اول الذکر کو کسی حملہ آور کے قدموں سے ناپاک نہ ہونے دیں اور ثانی الذکر کو استبداد زمانہ اور غاصبوں کی دست برد سے محفوظ رکھیں۔ اپنے آبا واجداد کی سپاس گذاری کا تقاضا ہے خود اپنے ساتھ انصاف، آئندہ نسلوں کے سلسلے میں اپنے فرض کی ادائیگی اور اپنے ہم جنسوں سے محبت کرنا۔

ایک تقریر جو ریاست الی نوائس میں بمقام اسپرنگ فیلڈ ری پبلکن اسٹیٹ کنونشن کے خاتمہ پر کی گئی جو ۱۶ جون ۱۸۵۸ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس کا عنوان تھا "پھوٹ کا شکار گھرانا۔"

...

اگر ہم کو پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ ہم کہاں ہیں۔ ہمارے میلانات کیا ہیں تو ہم اس بات کا بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں اسے کس طرح کریں۔

جس روز ہم نے اپنی پالیسی بنائی اور اس مقصد سے بنائی اور یہ حتمی وعدہ کر کے بنائی کہ ہم تحریک غلامی کا خاتمہ کر کے رہیں گے اس روز سے شمار کیا جائے تو اب ہم پانچویں سال کی بھی کافی مدت گزار چکے ہیں۔

اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک صرف یہ کہ بند ہی نہیں ہوئی بلکہ اس میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔

میرا خیال ہے کہ جب تک کوئی نازک صورت حال رونما نہیں ہوگی یہ تحریک ختم نہیں ہوگی۔

جس گھر کے اندر آپس ہی میں اختلافات ہوں گے وہ قائم نہیں رہ سکتا۔

میرا خیال ہے کہ اگر یہ حکومت مستقل طور پر نصف غلام رہی اور نصف آزاد تو زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔

مجھے یہ خدشہ نہیں کہ یونین منتشر کر دی جائے گی اور نہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ گھر سلامت نہیں رہے گا۔ بجائے اس کے مجھے یہ توقع ہے کہ اس کا باہمی اختلاف ختم ہو جائیگا۔ یہ یونین کسی نہ کسی انداز میں یک رنگ ہو کر رہے گی۔ یا تو غلامی کے مخالف اس کو زیادہ پھیلنے سے روکیں گے اور اس کو اس مقام پر پہنچا کر چھوڑیں گے جہاں عوام الناس کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ غلامی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی یا پھر غلامی کے حامی اس کو اور وسعت دیں گے اور اس طرح غلامی کو شمال اور جنوب کی تمام نئی

اور پرانی ریاستوں میں یکساں طور پر قانوناً جائز ہو جائے گی۔

کیا ہمارا رجحان طبع آخرالذکر صورت حال کی طرف بالکل نہیں ہے؟ جس شخص کے دل میں ذرا سا بھی شک و شبہ ہو اس کو اس تقریباً مکمل قانونی ڈھانچے پر احتیاط کے ساتھ غور و خوض کرنا چاہیے۔ یہ قانونی ڈھانچہ ایک ایسی مشینری ہے جو ایک طرف اصول نبراسکا اور دوسری طرف مقدمۂ ڈریڈ اسکاٹ کے فیصلے سے مل کر تیار ہوتی ہے اور صرف اسی بات پر نہیں غور کرنا چاہیے کہ یہ مشینری کس کام کے لئے موزوں ہے اور کتنی موزوں ہے بلکہ اس کو مشینری کی تاریخ کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگر ممکن ہو تو یہ بھی پتہ لگانا چاہیے خواہ اس تحقیقات میں ناکامی ہی کیوں نہ حاصل ہو کہ شروع میں اس کی ساخت کا ڈھنگ کیا تھا اور جو لوگ اسے عالم وجود میں لائے ان کے درمیان عمل اور فکر و نظر کے اعتبار سے کس حد تک وحدت تھی۔

جب ۱۸۵۴ء کا نیا سال شروع ہوا تو ریاست کے آئین و ضوابط کے تحت نصف سے زیادہ ریاستوں سے غلامی کا اخراج ہو چکا تھا اور کئی دوسرے قومی علاقوں سے اس کا اخراج کانگرس کے امتناعی احکام سے ہو گیا تھا۔

چار روز کے بعد وہ جد و جہد شروع ہوئی جس کے نتیجے میں انجام کار کانگرس کے امتناعی احکامات منسوخ کر دیئے گئے۔

اس سے تمام قومی علاقے کے دروازے غلامی کے لئے کھل گئے اور مخالفوں کا اولین مقصد حاصل ہو گیا۔

لیکن ابھی تک جو کچھ کارروائی کی گئی تھی وہ کانگرس کی طرف سے کی گئی تھی اور عوام الناس کی طرف سے اس کی حقیقی یا ظاہری منظوری کا حاصل کرنا ناگزیر تھا تاکہ جو مقصد حاصل ہو گیا تھا اس کا تحفظ ہو سکے اور مزید مقصد براری کا موقع حاصل ہو۔

اس ضرورت کو نظرانداز نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسے مساوی الحقوق حکمرانی کی مشہور دلیل میں شامل کر لیا گیا تھا جسے دوسرے الفاظ میں حکومت خود اختیاری کا مقدس حق کہتے ہیں۔ یہ آخری فقرہ اگرچہ صرف ہر قسم کی حکومت کی صحیح بنیاد کا مظہر تھا مگر

اس کو اس طرح استعمال کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس کا مفہوم ان معنوں میں بالکل الٹ گیا یعنی یہ کہ اگر کوئی ایک شخص کسی دوسرے شخص کو غلام بنانا چاہے تو اس میں کسی تیسرے شخص کو اعتراض کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ یہ دلیل خود نبراسکا بل میں شامل کر دی گئی اور اس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

"اس ایکٹ کا حقیقی منشا و مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی علاقے یا ریاست میں قانوناً غلامی کو رائج کر دیا جائے اور نہ یہ کہ اس کو وہاں سے خارج ہی کر دیا جائے بخلاف اس کے اس کی رو سے عوام کو اس بات کی پوری آزادی حاصل ہو گی کہ وہ اپنی پسند کے طریقے سے اپنے گھریلو ادارے قائم کریں اور ان کو ضابطہ میں لائیں۔ صرف یہ لازمی ہو گا کہ وہ ادارے ریاستہائے متحدہ کے آئین کے اندر رہیں۔"

جب کانگرس میں نبراسکا بل پیش ہو رہا تھا اس وقت ریاستہائے متحدہ کے سرکٹ کورٹ میں ایک مقدمہ چل رہا تھا جو ضلع مسوری سے متعلق تھا اس میں ایک حبشی کی آزادی کا سوال اٹھایا گیا تھا۔ چونکہ مالک خود حبشی کی مرضی سے پہلے اس کو ایک آزاد ریاست میں لیکر گیا تھا اور پھر ایک ایسے علاقے میں لے گیا جہاں کانگرس کا عائد کردہ امتناعی حکم نافذ تھا۔ اس طرح اس نے اس کو ان ہر دو علاقوں میں غلام بنا کر رکھا تھا۔ نبراسکا بل اور اس مقدمے، دونوں کا فیصلہ ایک ہی مہینے یعنی مئی ۱۸۵۴ء میں صادر ہوا تھا۔ حبشی کا نام تھا ڈریڈ اسکاٹ اور عدالت نے اس مقدمے میں جو فیصلہ کیا وہ اسی کے نام سے موسوم ہو گیا۔

ڈریڈ اسکاٹ کے مقدمے میں سینیٹر ڈگلس کی "کچھ پروا نہیں" کی پالیسی کے سلسلے میں جو چند نکات اٹھائے گئے وہی اپنی موجودہ ترقی یافتہ حالت میں دراصل وہ مشینری ہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس مشینری کے عملی نکات حسب ذیل ہیں۔

اول:۔ نہ کوئی ایسا حبشی غلام جو افریقہ سے لایا گیا ہو اور نہ ایسے کسی غلام کی کوئی اولاد، اس اصطلاح کے ان معنوں میں کبھی کسی ریاست کا شہری

ہوسکتی ہے جس کا استعمال ریاستہائے متحدہ کے آئین میں کیا گیا ہے۔

اس نکتے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر حالت میں حبشی کو ریاستہائے متحدہ کے آئین کی اس دفعہ سے حاصل ہونے والے فائدے سے محروم رکھا جائے جس میں کہا گیا ہے کہ "ہر ریاست کے شہریوں کو وہ تمام حقوق اور خصوصی مراعات حاصل ہوں گی جو مختلف ریاستوں میں رائج ہیں"۔

دوئم یہ کہ کانگرس اور نہ کوئی علاقہ جاتی قانون ساز جماعت ریاستہائے متحدہ کے کسی علاقہ سے غلامی کو خارج کر سکتی ہے بشرطیکہ ریاستہائے متحدہ کا آئین ایسا کرنے کی اجازت دے۔

یہ نکتہ اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص بھی اس خوف سے بے نیاز ہو کر کہ وہ غلاموں سے بحیثیت ملکیت ہاتھ دھو سکتا ہے، مختلف علاقہ جات کو غلاموں سے بھر دے اور اس طرح ہر آئندہ زمانے میں اس دستور کے مستقل طور پر قائم ہو جانے کے امکانات میں اضافہ ہو جائے۔

سوئم :- ایک آزاد ریاست میں کسی حبشی کو غلام رکھنا اسے اپنے آقا کی غلامی سے آزاد کر دیتا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی عدالتیں نہیں بلکہ غلامی کا رواج رکھنے والی ریاست کی عدالتیں کریں گی جہاں اس حبشی کو غلام بنایا گیا ہو۔

یہ نکتہ اٹھایا تو گیا ہے مگر اس لئے نہیں کہ اس پر فوراً زور دیا جائے لیکن اگر اسے تھوڑی دیر کے لئے قبول بھی کر لیا جائے اور عوام الناس کسی انتخاب کے موقع پر اس پر صاد بھی کر دیں تو بھی اس نکتہ سے یہ منطقی نتیجہ نکالا جائے گا کہ جو کچھ ڈریڈ اسکاٹ کا آقا قانوناً ڈریڈ اسکاٹ کے ساتھ الی نوائس کی آزاد ریاست میں کر سکتا ہے وہی ہر دوسرا آقا قانوناً کسی ایک یا ایک ہزار غلاموں کے ساتھ الی نوائس یا کسی دوسری آزاد ریاست میں کر سکتا ہے۔

اول ان سب باتوں کے ساتھ ہی ساتھ امدادی طور پر نمبر ۱ کا اصول یا اس کے

کے اس حصے کا جو مقصد باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ عوام الناس کو ایسی تعلیم دی جائے اور ان کی رائے کو ایسے سانچے میں ڈھالا جائے جس سے وہ اس بات سے بے نیاز ہو جائیں کہ غلامی کو ختم کر دینے کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے یا اس کو برقرار رکھنے کے حق میں رائے دی جاتی ہے۔

یہ امر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ نبراسکا بل کی رو سے کسی ریاست یا کسی علاقے کے باشندوں کو ریاستہائے متحدہ کے آئین کی حدود میں حسب مرضی کام کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔

مگر ریاست کا ذکر کیوں ہو؟ وہ تو ریاستوں کے لئے اور ان سے متعلق ہی قانون نہیں بنا رہے تھے بلکہ علاقوں کے لئے بھی ایسا کر رہے تھے یہ تو صحیح ہے کہ ایک ریاست کے باشندے ریاستہائے متحدہ کے آئین کے ماتحت ہیں اور انہیں اس کا ماتحت ہونا بھی چاہیئے۔ مگر محض علاقائی قانون میں اس کا ذکر کھینچ تان کر کیوں لایا جائے۔ ایک طرف علاقے اور دوسری طرف ایک ریاست کے باشندوں کو باہم دیگر گڈ مڈ کیوں کیا جائے اور اس آئین کے ساتھ دونوں کا تعلق بالکل یکساں کیوں نہ ہو؟

ڈریڈ اسکاٹ کے مقدمے میں عدالت نے جو فیصلہ دیا جس میں چیف جسٹس ٹینے کی رائے بھی شامل ہے اور دوسرے ججوں کی علیحدہ علیحدہ آرا بھی ان سب میں یہ تو صاف طور پر کہا گیا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے آئین کی رو سے نہ تو کانگرس کو اور نہ کسی علاقائی آئین ساز جماعت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ غلامی کو ریاستہائے متحدہ کے کسی علاقے سے خارج کر دے۔ لیکن یہ سب حضرات یہ بتانا بھول گئے کہ یہ آئین کسی ریاست کو یا کسی ریاست کے باشندوں کو غلامی سے خارج کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔

## جنگ۔ کانگریس کے نام پیغام

علیحدگی اختیار کرنے والی ریاستوں نے ۱۸۶۱ء کے اپریل کے مہینے میں

قلعہ سمیٹر میں مقیم فیڈرل حکومت کی محافظ فوج پر گولہ باری کرنا شروع کر دی اب جنگ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس موقع پر ۴ جولائی ۱۸۶۱ء کو کانگرس کے نام اپنے ایک پیغام میں لنکن نے صورت حالات پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

"قلعہ سمیٹر میں جو واقعہ پیش آیا ہے ..... حکومت پر جن لوگوں نے چڑھائی کی ہے، انہوں نے ملک کو اس بات کا دو ٹوک فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یا تو حکومت فی الفور برخاست کر دی جائے یا پھر خونریزی ہو۔"

اور اس مسئلے سے صرف ریاستہائے متحدہ ہی کی تقدیر وابستہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ تو ساری بنی نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک آئینی جمہوریت خواہ وہ ری پبلک ہو خواہ ڈیموکریسی جس میں عوام الناس کی حکومت ہوتی ہے اور جس میں عوام الناس ہی حکومت کو چلاتے ہیں خود اپنے ہی گھریلو دشمنوں کے خلاف اپنی علاقائی یک جہتی قائم رکھ سکتی ہے یا نہیں۔ اس صورت حال سے ہمارے سامنے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا چند غیر آسودہ افراد جن کی تعداد اس قدر تھوڑی ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر یعنی قانونی تنظیم کے مطابق حکومت کا کاروبار چلا ہی نہیں سکتے۔ ایسے بہانے بنا کر جیسے کہ اس معاملے میں پیش کئے گئے ہیں یا کسی اور عذر کی آڑ میں یا مطلق العنانہ طور پر بغیر کسی عذر و حیلے کے اپنی حکومت کو درہم برہم کر سکتے ہیں اور اس طرح سے روئے زمین پر آزاد حکومت کا وجود عملی طور پر مٹا سکتے ہیں۔ ہمیں یہ دریافت کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ کیا یہ بنیادی کمزوری تمام جمہوریتوں میں ہوتی ہے، کیا ایک حکومت کو اپنے عوام کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورتاً بہت مضبوط ہونا چاہیے یا پھر اتنا کمزور ہونا چاہیے کہ خود اپنا وجود ہی قائم نہ رکھ سکے۔

صورت حالات کا اس طرح جائزہ لینے کے بعد اس کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں نظر آیا کہ حکومت کی جنگی طاقت کو بروئے کار لایا جائے اور اس طاقت کا مقابلہ کیا جائے جو اسے تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے اور اس طرح حکومت

کے تحفظ کے لئے قوت سے کام لیا جائے۔

ہماری عوامی حکومت کو بعض مرتبہ ایک "تجربہ" کہا جاتا ہے۔ ہمارے عوام نے دو باتوں کا تو فیصلہ کر لیا ہے یعنی حکومت کو کامیابی کے ساتھ قائم رکھا جائے، اور کامیابی کے ساتھ اس کا انتظام چلایا جائے۔ ایک بات کا فیصلہ کرنا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت کو برباد کرنے کی جو کوشش اندر ہی اندر مضبوطی کے ساتھ ہو رہی ہے اس سے اسے محفوظ رکھا جائے۔ اب یہ کام اہل حکومت کا ہے کہ وہ دنیا کو دکھا دیں کہ جو لوگ ستھرے پن سے انتخاب لڑ سکتے ہیں وہ بغاوت کو بھی دبا سکتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کر دیں کہ جو مسئلہ گولیوں سے نہیں حل ہو سکتا وہ رائے دہندگی سے حل ہو سکتا ہے۔ صحیح معنوں میں اور پر امن طریقے سے رائے دہندگی گولی کی حقیقی کی مترادف ہے اور جب کسی بات کا فیصلہ ایمانداری کے ساتھ اور آئینی طریقے عمل میں لانے سے ہو جاتا ہے تو پھر گولی کے زور سے اس فیصلہ کو رد کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آئندہ انتخابوں میں بھی رائے دہندگی کے علاوہ اور کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس کے ذریعہ تکمیل مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ یہ ہے امن کا صلح کا پیغام جس سے لوگوں کو یہ درس ملتا ہے کہ جو چیز انتخاب کے ذریعہ نہیں حاصل کی جا سکتی اس کا جنگ سے بھی حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اس پیغام سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جنگ کا بانی ہونا کس قدر احمقانہ فعل ہے۔

# یونین کی حفاظت

۱۸۶۲ء کے موسم گرما کے دوران میں لنکن کے خلاف بڑی نکتہ چینی ہوئی۔ انہیں بہت کچھ برا بھلا کہا گیا۔ میکلیلن کا وہ ہنگامہ جو تمام جزیرہ نما میں برپا کیا گیا تھا، ناکام ثابت ہوا۔ جنگی ناکامیاں فیڈرل حکومت کی کوششوں میں مزاحم ہو گئیں۔ شمال میں جو لوگ انسداد غلامی کے حامی تھے ان کو لنکن سے یہ شکایت تھی کہ انہوں نے غلاموں کو نجات نہیں دلائی۔ یہ لوگ لنکن پر غلامی کا حامی ہونے

کا الزام لگاتے تھے۔ اسی طبقے کی ترجمانی کرتے ہوئے ہوریس گریلے نے اپنے اخبار "دی نیو یارک ٹریبون" میں اپنا مشہور اداریتی مقالہ شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا "دو کروڑ انسانوں کی دعا"۔ ۲۲ اگست کو لنکن نے گریلے کے اداریہ کا ایک جواب چٹھی میں دیا۔ یہ چٹھی اشاعت کے لئے اخبارات کو دیدی گئی تھی۔ بل رن کے دوسرے معرکہ کا فیصلہ ہونے میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا اور اینٹی ٹام کے محاذ کا نتیجہ نکلنے میں ایک مہینے سے کچھ کم کا عرصہ تھا۔

لنکن اس پس و پیش میں تھے کہ غلاموں کو ایک جنگی اور سیاسی اقدام کے ذریعہ آزاد کرنا مناسب ہوگا یا نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک اعلان جاری کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ اس کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ گریلے کے نام ان کی اس چٹھی میں اس امر کے متعلق اشارہ موجود تھا کہ شاید غلاموں کی نجات کے معاملے پر حکومت کی پالیسی میں کچھ رد و بدل ہو جائے۔ یہ اشارہ حامیانِ انسداد غلامی کی نظر سے نہیں گزرا تھا اس لئے ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ گریلے کے نام اپنی چٹھی لکھنے کے ٹھیک ایک مہینے بعد غلاموں کی نجات کے سلسلے میں اپنا ابتدائی اعلان جاری کرنے کے لئے لنکن اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جو اینٹی ٹام کی جنگ سے حاصل ہوا تھا اگرچہ یہ لڑائی فیصلہ کن نہ تھی۔ لی نے شمال پر جو حملہ کیا وہ پسپا کر دیا گیا تھا۔ گریلے کے نام لنکن کی یہ چٹھی اس پالیسی کا اعلان تھی جس کے تحت وہ جنگ کے ابتدائی ڈیڑھ سال کے اندر ہر کام کیا کرتے تھے۔ چٹھی حسب ذیل ہے۔

"جناب من!

میں نے ابھی ابھی ۱۹ تاریخ کے نیو یارک ٹریبون کا وہ اداریہ پڑھا جس میں مجھ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اگر اس اداریئے میں واقعات کے متعلق کوئی ایسی بات کہی گئی ہو یا کوئی ایسی بات تصور کر لی گئی ہو جو میرے علم کے مطابق غلط ہے تو میں فی الحال اس کی تردید کے لئے تیار نہیں اور اگر اس میں کچھ ایسے نتائج اخذ کئے گئے ہیں جو میرے خیال کے مطابق بھونڈے پر

مبنی ہیں تو فی الحال میں ان کے متعلق ابھی کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اگر اداریئے کا لہجہ بے صبری سے بھرا ہوا اور آمرانہ ہو تو بھی میں ایک ایسے قدیم دوست کے احترام میں اس کی طرف سے چشم پوشی کرتا ہوں جس کے دل کو میں نے ہمیشہ صادق پایا ہے۔

رہا اس حکمت عملی کا معاملہ جس پر میں آجکل عمل کر رہا ہوں جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے میرا یہ منشا کبھی نہیں رہا کہ اس کے بارے میں کسی کو بھی شک و شبہ میں ڈالے رکھوں۔

میں اس یونین کو بچاؤں گا آئین کے مطابق میں نزدیک ترین راستہ اختیار کر کے اسے بچاؤں گا۔ جتنی جلد قومی اقتدار بحال ہو جائے گا اتنی جلد یونین کو اپنی اصلی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو یونین کو اس وقت تک بچانے کے لئے تیار نہیں جب تک ساتھ ہی ساتھ غلامی کا رواج محفوظ نہ ہو جائے تو میں ایسے لوگوں سے متفق نہیں ہو سکتا اسی طرح میری رائے ان لوگوں سے بھی نہیں مل سکتی جو غلامی کے رواج کو نیست و نابود کئے بغیر یونین کو بچانا ضروری نہیں سمجھتے۔ اس جدوجہد میں میرا مقصد ہے ہر ممکن طریقے سے یونین کو بچانا۔ میرا مقصد غلامی کے رواج کا تحفظ کرنا یا اس کو نیست و نابود کرنا نہیں ہے۔ اگر میں کسی بھی غلام کو نجات دلائے بغیر یونین کو بچا سکوں گا تو ضرور بچاؤں گا۔ اگر میں تمام غلاموں کو نجات دلا کر یونین کا تحفظ کر سکوں گا تو ضرور کروں گا اور اگر میں کچھ غلاموں کو آزاد کر کے اور باقیوں کو بدستور غلام رکھ کر یونین کو بچا سکوں گا تو میں ایسا کرنے کے لئے بھی تیار رہوں گا۔ میں غلامی اور رنگدار قوموں کے سلسلے میں جو کچھ بھی کرتا ہوں وہ اس خیال سے کرتا ہوں کہ اس سے یونین کو بچانے میں مدد ملے گی۔ اگر میں کچھ برداشت بھی

کر لیتا ہوں تو اس لئے کہ میرے نزدیک ان معاملوں میں کوئی اقدام یونین کو بچانے میں مفید نہیں ہو گا جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے ہمارے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے تو اپنی سرگرمیوں کا دائرہ محدود کر لوں گا اور جب میں سمجھوں گا کہ میرے اقدامات سے ہمارے مفاد کو فائدہ پہنچے گا تو میں ان کا دائرہ وسیع تر کر دوں گا۔ اگر میری کسی کارروائی کو کوئی غلط قرار دے کر مجھے بتائے گا کہ یہ غلط ہے تو میں اس غلطی کو درست کرنے کی کوشش کروں گا اور جتنی جلد مجھے نئے نظریئے صحیح معلوم ہونے لگیں گے میں ان نئے نظریوں کو اتنی ہی جلد اختیار کر لوں گا۔

فرض منصبی کے بارے میں میرا جو کچھ نظریہ ہے اس کے مطابق میں نے اپنا مدعا بیان کر دیا ہے۔ میں کئی مرتبہ اس ذاتی خواہش کا اظہار کر چکا ہوں کہ کاش ہر جگہ ہر شخص آزاد ہو سکتا اور اس خواہش میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔"

لنکن کی چٹھی گریلے کے نام ــــ ۲۲ اگست ۱۸۶۲ء

# غلام فروشوں کو معاوضہ

دسمبر ۱۸۶۲ء میں کانگریس کے نام اپنے دوسرے سالانہ پیغام میں لنکن نے غلاموں کی نجات کے اعلان میں کئے ہوئے وعدے کے مطابق آئین میں ایک تبدیلی تجویز کی جس کے مطابق فیڈرل حکومت کے لئے یہ لازم ہو جائے کہ وہ ہر اس ریاست کو جس میں غلام رکھے جاتے ہیں ایسے تمام غلاموں کے لئے پورا معاوضہ ادا کرے جو خود اپنی مرضی سے غلامی کا انسداد کرنے کے لئے تیار ہو ان کو ابھی تک یہ امید تھی کہ غلاموں کو رکھنے والی ریاستیں عقلمندی اور خیر سگالی سے کام لیکر دوبارہ یونین میں واپس

لائی جا سکیں گی۔ اسی امر کی وضاحت انہوں نے اپنے اس پیغام میں کی ہے۔

..... مجھے قطعی طور پر یہ یقین ہے کہ اس پلان کے ذریعہ امن زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ حاصل ہو سکے گا اور زیادہ استقلال کے ساتھ قائم رہے گا۔ یہ مقصد اس حد تک محض طاقت کے استعمال سے پورا نہیں ہو سکتا۔

کیا اس میں کسی کو کچھ شک ہے کہ جو پلان میں تجویز کرتا ہوں اس کے اختیار کرنے سے جنگ مختصر ہو جائے گی۔ اس کے اخراجات میں کمی ہو جائے گی اور اس سے خونریزی بھی کم ہو گی؟ کیا اس میں کسی کو شبہ ہے کہ اس کے ذریعہ قومی اقتدار بحال ہو جائے گا۔ قوم میں فارغ البالی دوبارہ واپس آ جائے گی اور یہ دونوں چیزیں غیر معین مدت تک قائم رہیں گی؟ کیا اس میں کسی کو شک ہے کہ ہم لوگ یعنی کانگرس اور عمال حکومت اس تجویز کو منظور کرا سکتے ہیں۔ کیا نیک انسان ایک مشترکہ اور مخلصانہ اپیل کا کچھ جواب نہیں دیں گے۔ ہماری اس درخواست کی پذیرائی نہیں ہو گی۔ کیا ہم اور کیا وہ کسی دوسرے طریقے سے اتنے یقین اور اتنی سرعت کے ساتھ اتنے اہم مقاصد کی تکمیل کر سکتے ہیں؟ ہم صرف متحد ہو کر ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس سے زیادہ بہتر تدبیر خیال میں لا سکتا ہے یا نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا ہم سب لوگ مل کر اس سے بہتر طور پر کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ جو اعتراض بھی اٹھ سکتا ہے اٹھائیے پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ کیا ہم اس سے بہتر طور پر کام سرانجام دیتے ہیں۔ ماضی کے پرامن زمانے میں جو اصول کام کرتے تھے وہ حال کے طوفانی زمانے کے لئے کافی نہیں۔ یہ موقع ہے شدید مشکلات کا اور ہمیں موقع کے ساتھ ساتھ اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔ چونکہ ہمارا معاملہ ایک جدید نوعیت کا ہے اس لئے ہمیں نئے ڈھنگ سے سوچنا لازم ہے نئے انداز سے کام کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنی گردن سے طوق غلامی اتار پھینکنا چاہئے۔ اسی طریقے سے ہم اس ملک کو بچا سکیں گے۔

میرے ساتھی شہریو! ہم تاریخ کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس سے اپنا دامن

بچا نہیں سکتے۔ ہم لوگوں کو جن کا تعلق اس کانگریس اور اس حکومت سے ہے عام اس سے کہ ہم کیا ہیں اور کیسے ہیں، مدتوں یاد کیا جائے گا۔ ہمارا اہمیت رکھنا یا اہمیت نہ رکھنا دونوں میں سے کوئی بات بھی ہم کو یا ہم میں سے کسی اور کو کسی طرح بخش نہیں سکتی ہے۔ جس غضب ناک آزمائش کے دور سے ہم گزر رہے ہیں وہ یا تو آخر ترین نسل تک ہمارا نام تعظیم کے ساتھ روشن کرے گی یا پھر ہمیں بے قدری کے ساتھ خاک میں ملا دے گی جہنم واصل کر دے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم یونین کے طرفدار ہیں حمایتی ہیں، ہمارا سب کچھ اس کے لئے وقف ہے۔ ہمارا یہ بیان دنیا کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ ہم کو دنیا کے بچانے کا طریقہ معلوم ہے اور دنیا بھی جانتی ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ اسے کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔

ہمارے ہاں ہمارے ہاتھ میں اقتدار ہے اور ہم ذمہ داری کا بار اٹھاتے ہیں۔ جب ہم غلاموں کو آزادی پیش کرتے ہیں تو ہم آزادوں کو بھی ان کی آزادی کا یقین دلاتے ہیں۔ ہم جو کچھ دیتے ہیں اور جس چیز کی حفاظت کرتے ہیں دونوں صورتوں میں یکساں طور پر قابل تعظیم ہیں۔ یا تو ہم شرافت کے ساتھ دنیا کی آخری بہترین امید کا تحفظ کریں گے یا پھر ہم کو ذلت کے ساتھ اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے دوسرے طریقوں سے بھی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے لیکن یہ طریقہ ناکام نہیں ثابت ہو سکتا۔ طریقہ سادہ ہے پُرامن ہے اور فیاضانہ ہے۔ الغرض ہم اس طریقے پر کاربند رہے تو دنیا اس کی ہمیشہ تعریف کرے گی اور خدائے تعالےٰ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بابرکت بنا دے گا۔

## جنگ کا مقصد

نقطۂ عروج پر پہنچ کر جنگ بہت ہولناک ہو جاتی ہے اور اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنی مدت سے جاری رہنے کی وجہ سے ہماری اس جنگ کا بھی شمار ان تمام ہولناک جنگوں میں ہے جو دنیا میں آج تک ہوتی رہی ہیں۔ اس سے بہت سے مقامات پر قطعی طور پر اور سب مقامات میں جزوی طور پر کاروبار چوپٹ ہو گیا ہے۔ اس

کے سبب سے جائدادیں تباہ و برباد ہوگئی ہیں گھر کے گھر اجڑ گئے ہیں۔ قومی قرضے اور ٹیکسوں کا بوجھ کم از کم اس ملک میں جتنا زیادہ بڑھ گیا ہے اتنا اس سے پہلے کبھی نہیں بڑھا تھا قریب قریب ہر گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور کہنے کو تو یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ افلاک تاریکیوں میں معلق ہو گئے ہیں۔ ہم نے ایک خاص مقصد کے لئے یہ جنگ منظور کی تھی۔ یہ مقصد ایک قابل قدر مقصد تھا اور جنگ ختم اسی وقت ہوگی جب یہ مقصد پورا ہو جائے گا میرے سر پر خدا موجود ہے اور مجھے امید ہے کہ جب تک یہ مقصد پورا نہیں ہو جائے گا جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی۔ خبر ہے کہ موجودہ معرکہ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے جنرل گرینٹ نے کہا ہے کہ اگر سارا گرمی کا موسم بھی اس میں گزر جائے تو بھی وہ آخر تک اس طریقہ کار پر ڈٹے رہیں گے۔

جنگ کو جاری ہوئے تین سال ہو گئے۔ یہ جنگ اسی غرض سے شروع ہوئی تھی اور ہم نے اسی لئے منظور کیا تھا کہ ہمارے تمام قومی علاقے پر ہمارا اقتدار بحال ہو جائے اور جہاں تک امریکی باشندوں کا سوال ہے اور میری واقفیت مجھے کہنے کی اجازت دیتی ہے میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ میں اس طریقہ کار پہ آخر تک ڈٹا رہوں گا خواہ اس میں تین سال اور کیوں نہ لگ جائیں۔

فلاڈلفیا میں ایک سینیٹری فیر کے موقع پر ایک تقریر۔

۱۶ جون ۱۸۶۴ء

# دوسرا افتتاحی خطبہ

۴ مارچ ۱۸۶۵ء کو لنکن نے اپنے عہدۂ صدارت کی دوسری میعاد کے آغاز پر حلف اٹھایا اور اپنا دوسرا افتتاحی خطبہ ارشاد فرمایا۔ حالانکہ جنگ ابھی تک جاری تھی مگر فتح کے آثار بالآخر نظر آنے لگے تھے اور لنکن ان سب لوگوں کو جو یونین کے دشمن بن گئے تھے یونین میں واپس لانے کا موقع تلاش کر رہے تھے ان کا قول تھا "ہمارے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہیں۔ ہمارے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں" لنکن کا یہ مختصر خطبہ ان

کے بہترین خطبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

عہدۂ صدارت کا حلف اٹھانے کے لئے میں دوبارہ حاضر ہوا ہوں۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ کی طرح لمبی چوڑی تقریر کرنے کی ضرورت بہت کم ہے۔ اس موقع پر تو یہ بتلانے کے لئے کہ ہم کیا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہتے ہیں ایک تفصیلی بیان کا دینا موزوں اور مناسب تھا۔ اب چار سال کی مدت کے ختم ہو جانے کے بعد جس کے دوران میں متعدد بار اس مقابلہ عظیم کے ہر نکتے اور ہر پہلو کے سلسلے میں عوامی اعلانات جاری کرنا پڑے جس کی طرف قوم کی ساری توجہ اب بھی لگی ہوئی ہے اور جس کے لئے اس کی ساری قوتیں مصروف کار ہیں۔ کوئی ایسی خاص نئی بات نہیں جو پیش کی جا سکے۔ ہماری فوجوں کی رفتار جس پر اور تمام باتوں کا انحصار ہے کیسی ہے یہ عوام کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی اس کا پتہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رفتار ہر شخص کی نظر میں کافی اطمینان بخش اور حوصلہ افزا ہے۔ ہمیں مستقبل سے بڑی بڑی امیدیں ہیں اور اسی لئے کسی قسم کی پیش گوئی کی جسارت کرنا غیر ضروری ہے۔

چار سال پیشتر جب ایسا ہی موقع پیش آیا تھا جیسا آج آیا ہے۔ سب لوگوں کی توجہ اس خانہ جنگی کی طرف منعطف تھی جو چھڑنے والی تھی۔ سب کو جنگ کے نام سے بھی دہشت ہوتی تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ بلا سر سے ٹل جائے۔ جس وقت اس مقام سے یہ خطبہ پڑھا جا رہا تھا جو تمام و کمال اسی موضوع کے لئے وقف تھا کہ یونین کو جنگ کے بغیر کس طرح بچایا جائے۔ باغی لوگ شہر کے اندر اس تاک میں پھر رہے تھے کہ کس طرح جنگ کے بغیر اس کو تباہ کر دیا جائے۔ اس طرح یونین کا خاتمہ کر دیا جائے اور گفت و شنید کے ذریعہ مال و اسباب کا بٹوارہ عمل میں لایا جائے۔ دونوں پارٹیاں جنگ کی مذمت کرتی تھیں لیکن ایک پارٹی کو حقیقۃً قومی بقا سے زیادہ جنگ میں دلچسپی تھی اور دوسری پارٹی قوم کو برباد ہوتے دیکھنے کے مقابلے میں اس پر تیار تھی کہ جنگ برداشت کر لی جائے اور آخر کار جنگ چھڑ گئی۔

ساری آبادی کا آٹھواں حصہ سیاہ فام غلاموں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ عام طور پر ساری

یونین میں بٹے ہوئے نہیں تھے صرف اس کے جنوبی حصے میں آباد تھے۔ ان غلاموں کے ساتھ ایک مخصوص طبقے کا زبردست مفاد وابستہ تھا، یہ سب کو معلوم ہے کہ یہی مفاد جنگ کا باعث تھا۔ اس مفاد کو مضبوط بنانا، جاری رکھنا اور وسعت دینا ہی وہ مقصد تھا جس کی تکمیل کے لئے باغی طبقہ اس یونین کے تار و پود بکھیرنے پر آمادہ تھا خواہ اس کے لئے جنگ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔ دوسری طرف حکومت اس سے زیادہ کوئی اور اختیار نہیں مانگتی تھی کہ غلامی کو علاقائی طور پر محدود کر دیا جائے۔ دونوں جانبوں میں سے کسی کو بھی یہ توقع نہیں تھی کہ جنگ جو چھڑ جائے گی اور اتنے وسیع پیمانے پر چھڑ جائے گی اتنی مدت تک جاری رہے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ خیال نہیں تھا کہ تصادم کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ یا اس سے پہلے وجہ تصادم کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ دونوں کا خیال تھا کہ انہیں فتح آسانی سے حاصل ہو جائے گی اور جو نتیجہ نکلے گا اس کی بنیادی اہمیت کم ہو گی وہ کم تحیر خیز ہو گا۔ دونوں ایک ہی انجیل پڑھتے اور ایک ہی خدا کے سامنے دعا کرنیوالے ہیں اور دونوں اپنے مخالف کے خلاف اس کی امداد کے خواہاں ہیں یہ ایک عجیب و غریب بات معلوم ہوتی ہے کہ کوئی انسان ایک ایسے خدا سے جو منصف ہے اس غرض سے اس کی امداد کا خواہاں ہو کہ وہ کسی دوسرے کی گاڑھے پسینے اور محنت و مشقت سے حاصل کی ہوئی روٹی چھین کر ہڑپ کر جائے۔ ہمیں یہ نہیں قرار دینا چاہئے کہ کوئی دوسرا شخص ہمارے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرے۔ دونوں کی دعائیں قبول نہیں ہو سکتیں نہ دونوں کی دعاؤں کا پورا جواب ملا ہے۔ اس قادر مطلق کا منشا تو کچھ اور ہی ہے۔

افسوس ہے اس دنیا پر کہ اس میں ہر طرف گناہوں کا دور دورہ ہے اور گناہ تو اس کی لازمی خاصیت ہے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ امریکہ میں غلامی کا وجود ایک ایسا گناہ ہے جسے خدا کی خدائی میں ضرور رونما ہونا تھا اور یہ بھی کہ اپنی مقررہ مدت کے بعد اسے کالعدم ہو جانا تھا تب بھی چونکہ وہ شخص بھی جس سے گناہ سرزد ہوا کرتا ہے قابل افسوس ہے لہذا خدا نے شمال اور جنوب دونوں کو اس خوفناک جنگ کی لعنت میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیا ہم کو اس میں ان صفات ربانی سے کسی قسم کا گریز نظر آئے گا جس کو ایک زندہ جاوید خدا

کی ہستی میں یقین رکھنے والے اس کی ذات سے منسوب کرتے ہیں۔ بڑے اشتیاق کے ساتھ ہم امید کرتے ہیں نہایت دل سوزی کے ساتھ اس بات کے لئے دعا کرتے ہیں کہ جنگ کی یہ لعنتِ عظیم جلد سے جلد دور ہو جائے۔ بایں ہمہ اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک وہ تمام دولت جسے غلاموں نے ڈھائی سو سال کی محنت شاقہ سے جمع کیا تھا دریابرد نہ ہو جائے اور جب تک کوڑے کی مار سے بہائے ہوئے خون کے ہر قطرے کا قصاص اس خون کے ذریعہ نہ لیا جائے جو تلوار چلا کر بہایا گیا ہو تو جیسا کہ آج سے تین ہزار سال پہلے کہا گیا تھا وہی آج بھی کہا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ خدا کے فیصلے مکمل طور پر صحیح اور منصفانہ ہوتے ہیں۔"

ہمارے دل میں کسی طرف سے کینہ نہ ہو۔ سب کے ساتھ کشادہ دلی سے کام لیں۔ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں کیونکہ خدا نے ہمیں حق بینی کی توفیق دی ہے ہم کو چاہیے کہ جس کام کو ہم نے ہاتھ میں لیا ہے اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے اپنی جان تک لڑا دیں یعنی قوم کے زخموں کی مرہم پٹی کریں جس شخص نے لڑائی میں حصہ لیا ہو اس کی بیوہ اور اس کے یتیموں کی خبر گیری کریں نگہداشت رکھیں غرض ایسا ہر کام کریں جس سے ہم آپس میں اور تمام دوسری قوموں کے ساتھ امن و امان قائم کر سکیں اور اسے ترقی دیں اور یہ امن و امان منصفانہ بھی ہو اور دیرپا بھی۔

## تعمیر جدید

لڑائی اپریل ۱۸۶۵ء میں ختم ہو گئی اور جس روز مخالفوں نے اطاعت کامل قبول کر لی اس کے دو روز بعد لنکن نے ایک گروہ کے سامنے تقریر کی جو وہائٹ ہاؤس میں ان کی تحسین و توصیف کرنے کے لئے آیا تھا۔ گروہ کو توقع تھی کہ اس موقع پر بڑا جشن ہوگا۔ عیش و نشاط کا ہنگامہ گرم ہوگا لیکن لنکن کی توجہ بحالی تعلقات کے کار عظیم کی طرف مبذول تھی وہ چاہتے تھے کہ تعلقات کچھ اس صورت سے بحال ہوں کہ جانبین میں کسی کو ذرا بھی اذیت نہ پہونچے۔ برائے نام بھی صدمہ نہ ہو اسی لئے اس وقت ان کی طبیعت پر متانت

طاری تھی۔ انہوں نے فتح کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ نہ زیادہ اظہار خیال اس کار عظیم کے بارے میں کیا جو اس وقت انہیں درپیش تھا اور جسے آگے چل کر انہیں انجام دینا تھا۔ اس رات کو کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ جس کام کی تکمیل کے لئے وہ خود کو وقف کر رہے تھے اس کو تین راتوں کے بعد ایک قاتل کی گولی ان کے ہاتھوں سے چھین لے گی۔ یہ تقریر ان کی آخری عوامی تقریر تھی۔

٭٭٭

آج شام کو ہم لوگ یکجا ہوئے ہیں رنج و غم کی حالت میں نہیں۔ بجائے اس کے ہمارے دل خوشی سے معمور ہیں۔ پیٹرز برگ اور رچمانڈ خالی ہو چکے ہیں۔ اصلی باغی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور امید ہے کہ ایک پاک اور منصفانہ صلح جلد ہو کر رہے گی۔ اس موقع پر مسرت و شادمانی کے جو جذبات دلوں میں امنڈ رہے ہیں ان کو ضبط کرنا دشوار ہے بہر حال اس مسرت و شادمانی کے ہنگامہ میں ہمیں چاہیئے کہ اس ہستی کو نہ فراموش کر بیٹھیں جس کی ذات سے تمام برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ قومی سپاس گزاری کے لئے ایک اعلان تیار کیا جا رہا ہے اور وہ اعلان باقاعدہ طور پر نافذ کیا جائے گا۔

حال میں ہمیں جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں ان کی وجہ سے قومی اقتدار کی بحالی یعنی از سر نو تعمیر کی جانب ہمیں زیادہ توجہ کرنا پڑ رہی ہے۔ اگرچہ اس کے بارے میں ہم نے شروع ہی سے زیادہ غور و خوض کے ساتھ کام لیا ہے۔ اس راستے میں قدم قدم پر بڑی دشواریاں درپیش ہیں۔ اگر دو آزاد قوموں میں لڑائی ہوتی ہے تو ان کا کوئی ترجمان کوئی نمائندہ ایسا ہوتا ہے جس کے ذریعہ گفت و شنید کی جاتی ہے مگر اس جنگ میں کوئی باضابطہ مقرر شدہ ترجمان نہیں جس کے ساتھ بات چیت کی جائے نہ کسی فرد واحد کو بھی اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کی طرف سے بغاوت کو ختم کرنے کا اعلان کر دے۔ ہم کو تو غیر منظم اور غیر ہم آہنگ عناصر سے کام شروع کرنا پڑے گا۔ انہیں سے کوئی بہتری کی صورت نکالنا پڑے گی۔ اور یہ بھی کوئی کم پریشانی کی بات نہیں کہ ہم لوگوں میں بھی جو وفاداری کا دم بھرتے ہیں از سر نو تعمیر یا بحالی کے سلسلے میں باہم دیگر اختلاف ہے اس کی کیا شکل ہونا چاہیئے نیز اس کے لئے

کیا طریق کار اور کون کون وسائل اختیار کئے جائیں ان سب باتوں میں ہماری رائے ایک دوسری سے نہیں ملتی۔
اس امر کے بارے میں تو ہم سب متفق الرائے ہیں کہ جو ریاستیں ہماری یونین سے علیحدہ ہوگئی ہیں ان کا یونین سے کوئی باقاعدہ تعلق نہیں رہا ہے اور سول اور فوجی دونوں شعبوں کی حکومت کا واحد مقصد یہ ہے کہ ان ریاستوں کے ساتھ دوبارہ تعلق عملی طور پر قائم ہوجائے اور میرے خیال میں ایسا کرنا محض ممکن ہی نہیں بلکہ زیادہ آسان بھی ہے۔ اس کے لئے ہمیں یہ فیصلہ کرنے یا سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ریاستیں یونین سے علیحدہ رہی ہیں یا اس کے ساتھ رہی ہیں۔ جب ایک مرتبہ وہ سلامتی کے ساتھ گھر آجائیں پھر اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہتی کہ وہ کبھی ہم سے علیحدہ ہوگئی تھیں۔ آئیے ہم سب مل کر وہ قدم اٹھائیں جو ان ریاستوں اور یونین کے درمیان عملی طور پر تعلقات کی بحالی کے لئے ضروری ہوں اور ہر شخص معصومیت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اس خیال سے خوش رہے کہ ان کارروائیوں کو عمل میں لا کر وہ ریاستوں کو یونین میں باہر سے واپس لایا ہے یا اس نے صرف ان ریاستوں کی مناسب طور پر امداد کی ہے گویا یہ ریاستیں کبھی یونین سے علیحدہ ہی نہیں ہوئی تھیں۔

## زندگی کے آخری دن کا میمورینڈم

۱۴ اپریل ۱۸۶۵ء کا دن لنکن کی زندگی کا آخری دن تھا اس دن لنکن نے کئی پیغام لکھے اور کئی یادداشتیں قلمبند کیں ان کی آخری یادداشت ایک تحریر تھی جو جنرل جیمز وان ایلن کے نام تھی۔

واشنگٹن۔ ۱۴ اپریل ۱۸۶۵ء۔

مشفق من! میں چاہتا ہوں کہ اپنے دوستوں کے مشورے پر عمل کروں اور مناسب حزم و احتیاط سے کام لوں آپ نے مجھے اطمینان دلایا ہے کہ آپ کے ایسے کنزرویٹو (قدامت پسند) اصحاب میری ان کوششوں کی حمایت کریں گے جو میں یونین کی بحالی کے سلسلے میں کر رہا ہوں تاکہ خود آپ کے الفاظ کے مطابق یہ یونین دلوں کا، ہاتھوں کا اور ساتھ ہی تمام ریاستوں کا اتحاد ثابت ہو اور اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا صادق۔ اے لنکن۔

# غلامی کے بارے میں

## غلام بنانے کا اختیار

اگر الف یہ ثابت کر سکتا ہے اور یہ ثبوت کتنا ہی قطعی کیوں نہ ہو کہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ "ب" کو اپنا غلام بنالے تو پھر کیا "ب" بھی یہی دلیل نہیں پیش کر سکتا اور یہ کیوں نہیں ثابت کر سکتا کہ وہ بھی "الف" کو غلام بنانے کا حق رکھتا ہے۔ آپ کہتے ہیں "الف" کا رنگ سفید ہے اور "ب" کا رنگ سیاہ ہے۔ گویا سوال رنگ کا ہے یعنی جس کا رنگ ہلکا ہو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو غلام بنالے جس کا رنگ زیادہ سیاہ ہو مگر ذرا دھیان سے کام لیجیے۔ آپ کے اس قاعدے کے مطابق جس شخص سے بھی آپ کا پہلے سامنا ہوتا ہے آپ کو محض اس وجہ سے اس کا غلام بن جانا چاہیے کہ اس کی کھال کا رنگ آپ کے بمقابلے زیادہ گورا ہے۔ آپ کی نظر میں درحقیقت رنگ کا معاملہ اتنا اہم نہیں۔ آپ تو یہ سمجھتے ہیں کہ فہم و دانش میں سفید فام لوگوں کو سیاہ فام قوم والوں پر برتری حاصل ہے اسی لئے ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سیاہ فام قوم والوں کو اپنا غلام بنالیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ذرا دھیان سے کام لیجیے اس قاعدے کے مطابق آپ سے زیادہ فہم و دانش رکھنے والے جس شخص سے آپ کا پہلے سامنا ہو آپ کو اس کے حلقہ غلامی میں داخل ہو جانا چاہیے مگر آپ کہتے ہیں کہ دراصل سوال ہے غرض کا، مفاد کا اور اگر آپ اسے اپنی غرض اپنا مفاد بنالیں تو آپ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ دوسرے کو اپنا غلام بنالیں۔ بہت خوب یہ بھی مان لیا لیکن اگر دوسرا بھی اس کو اپنی غرض اپنا مفاد بنالے تو پھر اس کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ آپ کو اپنا حلقہ بگوش بنالے۔

غلامی کے بارے میں ایک تراشہ۔ یکم جولائی ۱۸۵۴ء

کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد دوم صفحہ ۱۸۶۔

# غلامی پر پہلی تقریر

۱۸۵۴ء سے غلامی کے سوال کو امریکی سیاست میں غلبہ حاصل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یہ سوال خاص طور پر ان نئی ریاستوں کے سلسلے میں اٹھا تھا جو اس زمانے میں یونین میں داخل ہو رہی تھیں جب ریاستوں کا پھیلاؤ مغرب کی جانب ہو رہا تھا۔ اس مسئلے پر لنکن نے اپنی پہلی اہم تقریر پیوریا واقع الی نوائس میں اکتوبر ۱۸۵۴ء میں کی۔ یہ تقریر اس شخص کی ایک پچھلی تقریر کے جواب میں تھی جو مستقبل قریب میں ان کا ایک بڑے پایہ کا سیاسی حریف بننے والا تھا۔ یہ شخص تھا سنیٹر اسٹفن اے ڈگلس۔ لنکن نے تین گھنٹے سے زیادہ تقریر کی۔ ان سے پہلے ڈگلس نے بھی تین گھنٹے سے زیادہ تقریر کی تھی۔ لنکن کی تقریر کا جو حصہ ذیل میں درج ہے اس سے اس مسئلے پر ان کے بنیادی فلسفے کا اظہار ہوتا ہے۔

"کہا جاتا ہے کہ جنوب کے ساتھ ہمیں مساوی انصاف کرنا چاہیے اور اسی لئے گویا ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ نئے ملکوں میں غلامی کی توسیع کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ چونکہ نبراسکا میں میرے سور کو لیجانے پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں اس لئے اگر آپ وہاں غلام کو لے جائیں تو مجھے بھی اس پر حرف زنی نہیں کرنا چاہیے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ منطقی طور پر یہ کہنا بالکل درست ہے بشرطیکہ سوروں اور غلاموں میں کوئی فرق نہ ہو۔ لیکن جب ایک طرف آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں حبشی کو انسان نہ مانوں تو دوسری طرف میں بھی آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ بھی جن کا تعلق جنوب سے ہے ایسا ہی کرنے کے لئے تیار ہیں؟ یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوتے ہیں ان میں ایسے لوگوں کی تعداد فی صدی کے حساب سے بہت کم ہوتی ہے جو پیدائشی ظالم ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی فی صدی تعداد آزاد ریاستوں کے بمقابلہ غلام ریاستوں ہی میں زیادہ نہیں ہوتی۔ جنوب اور شمال دونوں علاقوں میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کے دلوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے اور جس طرح وہ خود کو جسمانی اذیتوں کے احساس سے مبرا نہیں کر سکتے اسی طرح وہ انسانی جذبے سے بھی خود کو دور نہیں رکھ سکتے

جنوب کے رہنے والوں کے سینوں میں بھی ہمدردی کے ان جذبات کا اظہار متعدد صورتوں میں ہوتا ہے۔ ان کو غلامی کی بدعت محسوس ہوتی ہے اور ان میں اس بات کا بھی شعور ہوتا ہے کہ بہر نوع حبشیوں میں بھی انسانیت ہوتی ہے۔ اگر ان کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے انکار ہو تو پھر میں کچھ سادے سے سوال پیش کروں گا۔ ۱۸۲۰ء میں افریقہ کے غلاموں کی تجارت کو بحری ڈاکہ زنی قرار دینے میں جو اعلان شمال والوں نے کیا اور اس کے ساتھ موت کی سزا بھی شامل کی اس میں آپ قریب قریب اتفاق رائے سے شریک ہوئے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اگر آپ اس کو گناہ نہیں سمجھتے تھے تو آپ نے اس قانون کے بنانے میں شرکت کیوں کی کہ اس گناہ کی پاداش میں لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہیئے۔ ہوتا یہ تھا کہ افریقہ کے جنگلوں سے پکڑ کر حبشی ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے لائے جاتے تھے جو ان کو خریدنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے جنگلی گھوڑوں، جنگلی بھینسوں اور جنگلی سوروں کو پکڑنے اور بیچنے کے سلسلے میں کبھی انسانوں کو پھانسی دینے کا خیال نہیں کیا۔

اس کے علاوہ جس طرح ہمارے ملک میں اور جابر اور ظلم راں ہوتے ہیں اسی طرح ایک ایسا ذلیل قسم کا فرد بھی موجود ہے جسے بردہ فروش کہتے ہیں۔ وہ آپ کی ضروریات پر نظر رکھتا ہے اور آپ کے پاس قیاسی قیمت پر آپ کے غلاموں کی خریداری کے لئے چپکے سے آپہنچتا ہے اگر کوئی اور چارہ کار نہیں ہوتا تو آپ اس کے ہاتھ غلام کو فروخت کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کے بس میں ہو تو آپ اس کو اپنے دروازے سے بھگا دیتے ہیں۔ آپ اس سے قطعاً نفرت کرتے ہیں آپ اس کو دوست نہیں سمجھتے اور نہ ایک ایماندار انسان ہی سمجھتے ہیں آپ کے لڑکے اس کے ساتھ کھیل بھی نہیں سکتے وہ حبشیوں کے ساتھ آزادی سے موجیں اڑا سکتے ہیں لیکن بردہ فروشوں کے لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیل سکتے۔ اگر آپ کو اس کے ساتھ سودا کرنا ہی پڑ جائے تو آپ یہ سودا کر بھی لیتے ہیں مگر اس کو چھونا پسند نہیں کرتے۔ آپ اپنے ملنے والوں سے ہاتھ ملاتے ہیں لیکن بردہ فروش سے ملنے میں آپ کو احتراز ہوتا ہے۔ آپ اس سے اپنا دامن بچاتے ہیں جبلی طور پر آپ اس کو سانپ سمجھ کر اس سے دور بھاگتے ہیں اگر وہ مالدار ہو جاتا ہے اور پھر کاروبار سے سبکدوشی حاصل کر لیتا ہے اس کے بعد بھی

آپ کو اس کا خیال رہتا ہے اور آپ اس سے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ ملنے جلنے سے پرہیز کرتے ہیں مگر یہ سب باتیں کیوں ہوتی ہیں؟ جو شخص غلے، مویشیوں اور تمباکو کی تجارت کرتا ہے آپ اس کے ساتھ تو اس طریقے سے پیش نہیں آتے۔

اور اس کے باوجود ریاست ہائے متحدہ نیز دوسرے علاقہ جات میں جن میں کولمبیا کا ضلع بھی شامل ہے ۴۳۴۲۲۶ آزاد حبشی رہتے ہیں۔ اگر فی کس پانچسو ڈالر ان کی قیمت مقرر کی جائے تو ان لوگوں کی مجموعی قیمت ۲۰ کروڑ ڈالر ہوتی ہے۔ یہ اتنی بڑی ملکیت مالکوں کے بغیر کیونکر موجود ہے۔ یہ لوگ آزادانہ پھرتے ہیں اور ان کا کوئی مالک نہیں۔ ہم کو آزاد گھوڑے یا آزاد مویشی تو یوں آزادانہ پھرتے نہیں دکھائی دیتے۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ یہ آزاد حبشی غلاموں کی اولاد ہیں یا خود غلام رہ چکے ہیں۔

اگر ان کے سفید فام مالکوں پر کوئی خاص چیز اثر انداز ہو کر اور ایک عظیم مالی قربانی پر آمادہ کر کے انہیں آزاد نہ کرا لیتی تو وہ اب بھی غلام ہوتے۔ وہ چیز کیا ہے؟ کیا اتنی سی بات کے سمجھنے میں کوئی غلطی کر سکتا ہے۔ ان تمام معاملوں میں یہ آپ ہی کی انصاف پسندی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ ہے جو آپ کو مسلسل یہ بتاتا ہے کہ غریب حبشی کے بھی اپنی نجات کے سلسلے میں کچھ حقوق ہوتے ہیں نیز یہ کہ جو لوگ ان کے ان حقوق سے منکر ہوتے ہیں اور حبشی کو صرف مال تجارت ہی بنائے رکھتے ہیں وہ اسی قابل ہیں کہ انہیں ٹھوکریں لگائی جائیں ان کی بے عزتی کی جائے اور ان کو موت کے حوالے کر دیا جائے۔

تو پھر آپ ہم سے اس حقیقت سے انکار کرنے کا مطالبہ کیوں کریں کہ حبشی بھی انسان ہیں اور ہم سے یہ کیوں کہیں کہ ہم ان کو حیثیت میں سور کے برابر سمجھیں۔ آپ ہم سے ایسا کام کرنے کا مطالبہ کیوں کریں جسے کرنے کے لئے آپ خود تیار نہیں ہوں گے۔ آپ ہم سے ایسا کام کرنے کے لئے کیوں کہیں جسے آپ سے ۲۰ کروڑ ڈالر بھی نہ کرا سکے؟

## غلامی کے بارے میں، ایک دوست کے نام

اپنے ایک قدیم دوست کے نام ایک نجی خط میں جو اگست ۱۸۵۵ء میں تحریر کیا

گیا تھا لنکن نے غلامی کے بارے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے ذاتی احساسات کا تجزیہ کیا ہے۔

* * * *

میرے عزیز اسپیڈ!

آپ جانتے ہیں کہ خط لکھنے کے معاملے میں میں کس قدر نکما ہوں۔ جس روز سے مجھے آپ کا ۲۲ مئی کا تحریر کردہ مسرت نامہ موصول ہوا ہے میں اس کا جواب دینے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ آپ نے لکھا ہے کہ سیاسی معاملات میں ہماری اور آپ کی رائے نہیں ملے گی مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں اختلاف رائے تو ضرور ہو گا مگر اتنا نہیں جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے غلامی سے نفرت ہے اور آپ بھی اسے غلط سمجھتے ہیں۔ یہاں تک تو ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی لیکن آپ کا فرمانا تو یہ ہے کہ جونہی آپ اپنا قانونی حق غلاموں کے حوالے کر دیں گے اور خاص طور پر ان لوگوں کے کہنے سے جن کا کوئی ذاتی مفاد اس مسئلے سے وابستہ نہیں ہے تو یونین ختم ہو جائے گی یہ آپ دیکھیں گے۔ مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں کہ کوئی شخص آپ کو اپنے حق سے دست بردار ہونے کے لئے کہہ رہا ہے۔ یقیناً میں ایسا نہیں کہہ رہا ہوں میں یہ معاملہ قطعاً آپ پر چھوڑ رہا ہوں۔ غلاموں کے بارے میں آئین کی رو سے آپ کے جو حقوق ہیں اور جو ذمہ داریاں مجھ پر عائد ہوتی ہیں میں انہیں بھی تسلیم کرتا ہوں میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان غریبوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا جاتا ہے ان کو شکار بنایا جاتا ہے، گرفتار کیا جاتا ہے اور گرفتار کر کے ان پر کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ ان سے مشقت کرائی جاتی ہے اور اس مشقت کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تو میرے دل میں سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے میں ہونٹ چبا کر رہ جاتا ہوں منہ سے کچھ نہیں کہتا۔ ۱۸۴۱ء میں ہم کو ایک پایاب دریا کا دشوار گزار سفر اختیار کرنا پڑا ایک دخانی کشتی پر سوار ہو کر ہم لوئی ولا سے سینٹ لوئی کے مقام تک گئے آپ کو یاد ہو گا اور مجھے تو بخوبی یاد ہے کہ لوئی ولا سے دریائے اوہیو کے دہانے تک کشتی میں دس یا بارہ غلام تھے جن کو باہم دیگر زنجیروں سے باندھ دیا گیا تھا یہ نظارہ دیکھ کر میرا دل پاش پاش

ہو گیا اور اب جب بھی میں ادھیو یا کسی ایسی سرحد سے ہو کر گزرتا ہوں جہاں غلام رہتے ہیں تو میری آنکھوں کے سامنے بالکل یہی منظر پیش ہو جاتا ہے۔ آپ کے لئے کسی طریقے سے بھی یہ خیال کرنا مناسب نہیں کہ مجھے ایک ایسی بات سے کوئی دل چسپی نہیں جس سے مجھے رنج پہونچتا ہے بار بار تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کو تو اس کے بخلاف اس بات کی تعریف کرنا چاہیے کہ خطۂ شمالی کے لاکھوں باشندے کس طرح اپنے جذبات کو ذبح کرتے رہتے ہیں محض اس خیال سے کہ آئین اور یونین کے ساتھ ان کی وفاداری قائم رہے۔

میں غلامی کی توسیع کے خلاف آواز بلند کرتا ہوں کیونکہ میری عقل اور میرے احساسات مجھے ایسا کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس آواز کے خلاف عمل کرنے پر مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر صرف اتنی سی بات پر میرے اور آپ کے درمیان اختلاف رائے ہے تو یہ اختلاف ضرور ہونا چاہیئے۔

میں نو نتھنگ (مجھے کچھ نہیں معلوم) جماعت کا پیرو نہیں۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے اور میں اس جماعت کا پیرو ہو بھی کیسے سکتا ہوں۔ حبشیوں کے ساتھ جو مظالم روا رکھے گئے ہیں ان سے نفرت کرنے والا انسان سفید اقوام کی ذلیل جماعت کا حمایتی کیونکر ہو سکتا۔ ہمارا قدم ابتری کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ ایک قوم کی حیثیت سے ہم نے شروع شروع میں یہ اعلان کیا تھا کہ سب انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں لیکن عملاً اب ہمیں یہ عبارت پڑھنے کو ملتی ہے۔

"حبشیوں کے علاوہ اور سب انسان برابر ہیں"

اگر نو نتھنگ جماعت والوں کا اقتدار ہو جائے تو پھر یہ عبارت پڑھنے میں آئیگی۔

"حبشیوں، غیر ملکیوں اور کیتھولک عقیدے کے پیروؤں کو چھوڑ کر باقی سب انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں"

اگر واقعی کبھی ایسی ہی صورت حالات پیدا ہو گئی تو میں نقل وطن کر کے کسی ایسے ملک میں چلا جانا پسند کروں گا جہاں حریت پسندی کا ڈھونگ نہیں

رچا جاتا۔ مثلاً روس جہاں مطلق العنانی تو ہے مگر خالص قسم کی ہے اس میں ذلیل قسم کی ریاکاری کا برائے نام بھی شائبہ نہیں۔

آپ کا ہر وقت کا دوست ——— اے لنکن

## غلامی کے رواج سے متعلق خیالات کی وضاحت

ایوان منقسمہ کی وہ لرزہ خیز تقریر جس پر فوراً ہی لنکن پر ہر طرف سے لعنت و ملامت کی بوچھار ہونے لگی اس میں لنکن کے مخالف جج ڈگلس نے بھی حصہ لیا تھا اسی سال کے ماہ جولائی میں لنکن نے بمقام شکاگو اپنے نظریوں کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں کہ یہ حکومت بیاسی سال تک یہی صورت برقرار رہی ہے کہ اس کا نصف حصہ آزاد تھا اور نصف حصہ غلام۔ میں ملک کی تاریخ سے تھوڑا بہت واقف ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ بیاسی سال سے یہی حکومت برقرار رہتی چلی آرہی ہے۔ باوجود اس کے کہ ہم میں نصف غلامی تھی اور نصف آزادی مجھے یقین ہے اور یہی وہ بات ہے جو میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ حکومت محض اس وجہ سے برقرار رہی ہے کہ جب تک نو برا سکا بل پیش نہیں ہو گیا عوام الناس اس خیال سے مطمئن رہے کہ غلامی رفتہ رفتہ قطعی طور پر نیست و نابود ہوتی جا رہی ہے اور اسی خیال سے ہم کو وہ سکون اور اطمینان میسر آیا جو بیاسی سال کی اس مدت کے دوران ہمیں حاصل رہا۔ کم از کم میرا یہی خیال ہے مجھے غلامی سے ہمیشہ نفرت رہی ہے اتنی ہی نفرت جتنی انسداد غلامی کے کسی علمبردار کو ہو سکتی ہے میں ایک پرانی صف کا دہگ[1] ہوں مجھے غلامی سے ہمیشہ نفرت رہی ہے لیکن جب تک نو برا سکا بل کا یہ نیا دور شروع نہیں ہوا میں نے ہمیشہ خاموشی سے کام لیا میرا ہمیشہ سے یہ عقیدہ یہ ایمان رہا ہے کہ ہر شخص غلامی کے خلاف ہے اور یہ رفتہ رفتہ قطعی طور ختم ہو کر رہے گی قوم کے افراد کی ایک بہت بڑی تعداد کو اس خیال سے سکون حاصل ہوتا تھا کہ غلامی

---

[1] وہگ سے مراد قدیم سیاسی فرقے کا وہ رکن جو انقلاب کا حامی ہو اور جس کا نظریہ ہو کہ اقتدار شاہی کو ہمیشہ پارلیمنٹ کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ (مترجم)

قطعی طور پر ختم ہو رہی ہے۔

دستور کی منظوری اور اس کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہونیوالے واقعات کے مدنظر لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا اور خود دستور بنانے والوں کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ جس وقت یہ دستور بنایا جا رہا تھا اس وقت ان بزرگوں نے یہ فیصلہ کیا ہی کیوں تھا کہ غلامی کو کسی ایسے نئے علاقے میں داخل نہ ہونے دیا جائے جہاں اس کے قدم ابھی تک پہونچ نہیں چکے ہیں۔ آپ یہ اعلان کریں ہی کیوں کہ کانگریس بیس سال کے اندر اندر افریقہ کے غلاموں کی اس تجارت کا سلسلہ منقطع کر دے گی جس کے ذریعہ غلام مہیا کیے جاتے ہیں۔ یہ سب کارروائیاں کی کیوں گئیں۔ میں ایسی اور بھی بہت سی کارروائیاں گن گن کر بتا سکتا ہوں لیکن جو کچھ میں کہہ چکا ہوں وہی کافی ہے۔ ان کارروائیوں سے اس کے سوا اور کیا ظاہر ہوتا ہے کہ دستور کے بنانیوالوں کی یہی نیت تھی اور وہ امید بھی اسی بات کی کرتے تھے کہ غلامی کی رسم قطعی طور پر نیست و نابود ہو جائے گی۔ جب ہم قدیم اعلان آزادی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم اپنے بزرگوں کی زبان سے سنتے تھے۔ اور اب جب میں یہ کہتا ہوں جیسا کہ میں نے اپنی اس تقریر میں کہا ہے جس کا حوالہ جج ڈگلس نے دیا ہے کہ میرے خیال میں غلامی کی مخالفت کرنیوالے اس کے مزید پھیلاؤ کو روکیں گے اور اس کو ایسی حالت میں پہونچا دیں گے جس کے بارے میں عوام کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ اب غلامی کا قطعی خاتمہ ہو کر رہے گا تو میرے کہنے کا منشا یہ ہو گا کہ ایسے لوگوں کے ذریعہ اس کو وہی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو شروع شروع میں بانیان حکومت نے اسے دی تھی۔

غالباً ہماری نصف قوم ان بزرگوں کی اولاد نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یا تو خود یا جن کے بزرگ یوروپ سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے کیونکہ ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ یہاں ہر بات میں ہمارے برابر ہیں۔ اگر وہ اس تاریخ کے پچھلے دور پر اس غرض سے نظر ڈالتے ہیں کہ اس دور سے ان کا کوئی خونی رشتہ مل جائے تو ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی رشتہ پہلے سے موجود نہیں ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس شاندار ماضی کی طرف واپس نہیں لے جا سکتے اور یہ محسوس نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارا ایک جزو ہیں لیکن

جب وہ اس قدیم اعلان آزادی پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ ان سے کہہ رہے ہیں کہ "ہماری نظر میں یہ حقیقتیں آپ اپنا ثبوت ہیں کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہوتے ہیں۔" اس وقت پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جو اخلاقی جذبہ کارفرما تھا اس سے ان کے اور ان کے بزرگوں کے درمیانی رشتے کی شہادت مہیا ہوتی ہے تیز یہ کہ ان کے جو کچھ بھی اخلاقی اصول ہیں ان کا جنم داتا یہی جذبہ ہے اور اسی لئے ان کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے اپنا سمجھیں گویا ان کی رگوں میں انہی بزرگوں کا خون ہے اور وہ انہی بزرگوں کے گوشت پوست سے بنے ہوئے ہیں جنہوں نے یہ اعلان سپرد قلم کیا تھا اور سچ پوچھئے تو بات ہے بھی کچھ ایسی ہی۔ اعلان کی یہی وہ ولولہ انگیز اور پر جوش برقی رو ہے جو محبان وطن اور شیدائیان حریت کے دلوں میں باہم دیگر منسلک کرتی ہے اور اس وقت تک ان محبان وطن کے دلوں کو آپس میں ملاتی رہے گی جب تک ساری دنیا کے انسانوں کے دلوں میں آزادی کی محبت موجود رہے گی۔

تقریر بمقام شکاگو۔ ۱۰ر جولائی ۱۸۵۸ء

# غلامی کے موضوع پر

## (ایک مشہور اقتباس)

بعض مرتبہ لنکن اپنے خیالات کاغذ پر لکھ لیا کرتے تھے۔ ان تحریروں کے مختلف اقتباسات محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ یہ اقتباس ان اقتباسات میں سے ہے جن کا حوالہ بہت زیادہ دیا جاتا ہے۔ یہ اقتباس اگست ۱۸۵۸ء میں تحریر کیا گیا تھا۔

"جس طرح میں غلام نہیں ہونا چاہتا اسی طرح آقا بھی نہیں بننا چاہتا اس سے جمہوریت کے متعلق میرے نظریئے کی وضاحت ہوتی ہے جو کچھ اس سے جس حد تک مختلف ہے اسی حد تک وہ جمہوریت کے منافی ہے۔"

اے۔ لنکن۔

# باہمی نفاق کا مستقل سبب — غلامی

ریاستوں میں مختلف قسم کے جو کثیر التعداد مقامی ادارے ہیں ۔۔۔ ان کے درمیان ایک باہمی رشتہ اتحاد ہے۔ یہ ادارے ایسا "ایوان" نہیں ہیں جس کے اندر لوگوں میں باہمی اختلاف رائے ہو جو اپنے ہی خلاف منقسم ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا "ایوان" ہیں جس میں باہم دیگر اتحاد ہی اتحاد ہے جو متحد ہے۔ یہ بات تو میں آپ ہی کی زبان سے کہلانا چاہتا ہوں کہ ہماری حکومت کی تاریخ میں غلامی کا یہ رواج ہمیشہ رشتۂ اتحاد بننے میں ناکام ہی نہیں رہا ہے بلکہ یہی اصل بنائے نفاق ہے۔ ایوان میں جتنی شکر رنجیاں ہوتی ہیں، وہ اسی کے سبب سے ہوتی ہیں۔ میں آپ سے اس بات پر غور کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ کیا جب یہ نسل اور یہ جماعت قبر میں دفن ہو جائے گی اس وقت بھی انسانوں کے دماغوں کی اخلاقی بناوٹ ایسی ہی نہیں بنی رہے گی یا کوئی اور نسل یہی اخلاقی اور دماغی نشو ونما لیکر پیدا نہیں ہو گی جو اس وقت ہم میں موجود ہے اگر کہیں غلامی کا رواج اس وقت بھی آجکل کی طرح سامنے آگیا تو یہ بدستور نقطۂ اختلاف نہیں بنا رہے گا۔

مباحثہ۔ بمقام اوٹاوہ۔

۲۱ راگست ۱۸۵۸ء

# باہمی میل جول

یہ دنیا تو عوض معاوضے کی دنیا ہے۔ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے اور جو شخص غلام نہیں بننا چاہتا، وہ کبھی دوسروں کو غلام بنانے کے لئے رضامند نہیں ہو گا۔ جو لوگ دوسروں کو آزادی سے محروم رکھنا چاہتے ہیں وہ خود بھی آزادی کے مستحق نہیں اور ایک منصف اور عادل خدا کی حکومت میں زیادہ دنوں تک اپنی آزادی قائم نہیں رکھ سکتے۔

ایچ ایل پیرس، اور بعض دوسرے حضرات کے نام لنکن کے ایک خط کا اقتباس

اسپرنگ فیلڈ۔ الی نوائس۔ ۶ راپریل ۱۸۵۹ء

# باہمی عداوت کا باعث

میرا خیال ہے کہ یہ غلامی کا عنصر ہمیشہ ہمارے درمیان نفاق کا باعث بنا رہے گا اور غلامی کے رہتے اس ملک میں غالباً مکمل امن وسکون حاصل نہیں ہو سکے گا تاوقتیکہ یہ عنصر کلیتاً ہماری حکومت کے آزادانہ اصولوں پر حاوی نہ ہو جائے یا پھر تاوقتیکہ آزادانہ اصول اس عنصر پر غالب نہ آجائیں اور عوام الناس کے دلوں کو اس بات کا اطمینان حاصل نہ ہو جائے کہ غلامی ختم ہی ہونے والی ہے۔

تقریر بمقام کولمبس۔ اوہیو۔
۱۶ ستمبر ۱۸۵۹ء

# غلامی کا رواج اور عوامی بہبودی

میرے کہنے کا یہ منشا ہر گز نہیں کہ دنیا میں جتنی بھی خرابیاں ہیں ان کو دور کرنے کا ٹھیکہ اس ہمہ گیر حکومت نے لیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس حکومت کا ایک فرض ضرور ہے اور وہ یہ کہ ان تمام خرابیوں کی روک تھام کرے اور ان کے انسداد کی جانب متوجہ ہو جن سے خود اس کو نقصان پہونچتا ہے۔ اس حکومت کا لازمی فرض یہ ہے کہ بہبودی عامہ کے ساز و سامان مہیا کرے۔ ہمارا خیال ہے کہ غلامی کے رواج کا پھیلنا اور ہمیشہ جاری رہنا بہبودی عامہ کے حق میں مضرت رساں ہے۔

تقریر بمقام سن سنیٹی۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۵۹ء

# کوپر انسٹی ٹیوٹ والی تقریر

تاریخ میں لنکن نجات دہندہ اعظم کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کون لنکن جنہوں نے غلاموں کو آزاد کرایا اور اس طرح ریاستہائے متحدہ سے غلامی کے مذموم اور مطعون رواج کا تمام وکمال صفایا کر دیا۔ خانہ جنگی سے پہلے لنکن کا مقصد صرف یہ تھا کہ حکومت کے عائد کردہ

قانون کے ذریعہ اس رواج کو فوراً کالعدم کر دینے کے بجائے انسانیت کے جذبے کو بیدار کر کے اس کا آہستہ آہستہ خاتمہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لنکن کو امید تھی کہ غلاموں کو رکھنے والی ریاستیں آہستہ آہستہ ترقی کی اس رفتار کو قبول کریں گی خواہ کتنی ہی بے دلی سے وہ اسے قبول کریں اور اس طرح یونین کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا یونین محفوظ رہے گی۔ بہر حال غلامی کے اخلاقی جواز پر انہوں نے جھنکارتے ہوئے الفاظ میں ایک ایسی تقریر فرمائی جس سے سارا ملک گونج اٹھا۔ خاص طور پر ان کی ایک تقریر جس کی طرف دور دور تک کے لوگوں کی توجہ کھنچ گئی تھی۔ وہ تقریر تھی جو انہوں نے اس زمانے میں کی جب وہ مشرق کی جانب نیویارک کا سفر کر رہے تھے اور جس میں انہوں نے کوپر انسٹی ٹیوٹ میں جمہوریت پرستوں (ری پبلکنوں) کی ایک جماعت کو مخاطب کیا تھا۔ یہ تقریر ان الفاظ پر ختم ہوئی:

"اگر غلامی ایک صحیح چیز ہے تو اس کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے یا کیا جاتا ہے جتنے قانون اور آئین اسکے خلاف بنائے جاتے ہیں وہ بذات خود غلط ہیں ان کا منہ بند کر دینا چاہئے اور ان کا یک قلم صفایا کر دینا چاہئے۔ اگر غلامی صحیح چیز ہے تو ہم کو اسکی قومی یا اسکی عالمگیر حیثیت کے متعلق کسی قسم کا اعتراض اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر یہ ایک غلط چیز ہے تو یہ درست نہیں ہو گا کہ لوگ اس کی توسیع اس کے پھیلاؤ پر زور دیں اصرار کریں۔ اگر ہم غلامی کو ایک صحیح چیز سمجھتے ہیں تو جس بات کا بھی وہ لوگ ہم سے مطالبہ کریں گے ہم اسے منظور کر لیں گے اور اگر وہ غلامی کو غلط چیز سمجھتے ہیں تو پھر انہیں جو کچھ ہمارا مطالبہ ہے اسے پورا کرنا چاہئے۔ وہ لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں ہم لوگ اسے غلط قرار دیتے ہیں اور یہی وہ بیّن حقیقت ہے جس پر ساری بحث کا دار و مدار ہے۔ وہ لوگ اسے درست سمجھتے ہیں اس لئے اگر وہ اس کے مکمل طور پر تسلیم کئے جانے کے خواہاں ہیں تو اس کے لئے ان کو مورد الزام ٹھہرانا نامناسب ہو گا مگر ہم اسے غلط قرار دیتے ہیں تو کیا ہمیں ان لوگوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے، کیا ہمیں ان کی بات مان لینا چاہئے، کیا ہم اپنی رائے ان کے نظریوں کی حمایت میں اور اپنے نظریوں کے خلاف دیں گے، کیا اپنی اخلاقی، سماجی اور سیاسی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم ایسا کر سکتے ہیں؟"

ہم غلامی کے رواج کو غلط سمجھتے ہیں پھر بھی یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ جہاں غلامی

اس وقت موجود ہے وہاں اسے قائم رہنے دیا جائے کیونکہ یہ ایک ایسی ضرورت کا تقاضا ہے جو قوم میں پہلے ہی سے موجود ہے لیکن کیا ہم اسے قومی علاقوں میں پھیلنے کی اور ان آزاد ریاستوں میں اپنے اوپر غالب آجانے کی اجازت دیدیں گے۔ حالانکہ اپنی رائے دہندگی کے ذریعہ ہم اسے روک سکتے ہیں اگر احساس فرض اس بات کا مقتضی ہو کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تو فی الواقع ہمیں بیباکی کے ساتھ اور موثر طور پر اپنے فرض کی پابندی مضبوطی کے ساتھ کرنا چاہیے ہمیں کسی بھی ایسی پرفریب اور کید و مکر پر منحصر ترکیب سے خوف کھا کر اپنے فرض سے ہرگز گریز نہیں کرنا چاہیے جس کے لئے ہمیں اتنی شد و مد کے ساتھ بہکایا جاتا ہے گمراہ کیا جاتا ہے۔ ترکیب سے میری مراد ہے صحیح اور غلط چیزوں کے مابین ایک درمیانی نظریہ کی تلاش۔ یہ تلاش اتنی ہی بیکار ہے جتنی ایک ایسے انسان کی تلاش جو نہ زندہ ہو نہ مردہ۔ مثال کے طور پر کسی ایسے مسئلے کے متعلق جس میں ہر صحیح آدمی کو دلچسپی ہو "کچھ پرواہ نہیں" کا رویہ اختیار کرنا یا پھر یونین کا اپنے سچے وفاداروں سے یہ استدعا کرنا کہ وہ نفاق پسندوں کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں۔ خدائی ضابطے کو الٹ کر رکھ دیں پس پشت ڈال دیں گویا گنہگاروں سے نہیں بلکہ پارساؤں سے توبہ کرنے کے لئے کہیں اور یا پھر واشنگٹن سے دعا مانگ کر لوگوں کو دست بستہ ان باتوں کی تردید کرنے پر آمادہ کریں جو واشنگٹن نے کہی تھیں اور ان تمام کاموں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیں جو واشنگٹن نے سرانجام دیئے تھے۔ کوئی ہمارے خلاف لاکھ جھوٹی اور بے بنیاد تہمتیں تراشے ہمیں اپنے فرض سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے اور نہ ان دھمکیوں سے خوف کھانا چاہیے کہ ہماری حکومت برباد کر دی جائیگی ہم جہنم واصل کر دیئے جائیں گے۔ ہمیں تو اس قول میں یقین رکھنا چاہیے کہ طاقت کا منبع صداقت ہے اور اسی لئے ہمیں یقین اور اعتقاد سے کام لیکر اپنا فرض جن معنوں میں ہم نے اسے سمجھ رکھا ہے جرأت کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔

## دو بلین ڈالروں کا خیال

غلام رکھنے والا کوئی شخص یہ نہیں گوارا کر سکتا کہ لوگ اس وجہ سے اسے کمینہ سمجھیں

کہ اس کے قبضے میں اس جنس کی ملکیت ہے اور اسی لئے اس کے دل میں ایک کشمکش سی ہوتی رہتی ہے اور ایسی ایسی تاویلیں پیدا ہوتی ہیں کہ وہ غلامی کو جائز ماننے لگتا ہے۔ اس ملکیت کا اثر اس کے ذہن پر پڑتا ہے۔ ایک مختلف الرائے پادری صاحب کو کسی دینی مسئلے پر کسی ایسے شخص سے مباحثے کا موقع پڑا جس کا ایک مسلمہ چرچ سے تعلق تھا۔ جب بھی یہ اپنا نکتہ پیش کرتے تو ان کو یہی جواب ملتا کہ "میں تو اسے اس نظر سے دیکھتا نہیں"۔ انہوں نے انجیل کھولی اور ایک پارہ نکال کر اس کو دکھایا۔ لیکن اس دقیانوسی پادری نے جواب دیا۔ "مجھے تو ایسا نظر نہیں آتا"۔ پھر انہوں نے اس کو ایک واحد لفظ دکھایا: "کیا آپ کو یہ نظر آتا ہے"۔ جواب ملا۔ "ہاں ہاں میں یہ دیکھ رہا ہوں"۔ اختلاف کرنیوالے پادری نے اس لفظ پر ایک گنی رکھ دی اور دریافت کیا۔ "کیا اب آپ کو یہ نظر آتا ہے"۔ بالکل یہی حال اس معاملے کا ہے۔ اس جنس کی ملکیت کے مالک اس کو اصلی صورت میں دیکھتے ہیں یا نہیں۔ یہ میرے کہنے کی بات نہیں۔ لیکن اگر وہ اسے اس طرح دیکھتے ہیں تو وہ اسے دو بلین ڈالروں کے ذریعہ دیکھتے ہیں اور دو بلین ڈالروں کی تہہ تو خاصی موٹی ہوتی ہے۔

نیو ہیون کے مقام پر ایک تقریر کا اقتباس۔ کانن۔ ۶ مارچ ۱۸۶۰ء
کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد پنجم صفحہ ۳۴۳۔

# غلاموں کی نجات

حالانکہ لنکن غلامی کے رواج کو اخلاقی طور پر ناجائز سمجھتے تھے مگر آئین کی رو سے یہ رواج جائز تھا اس کو آئین کی حمایت حاصل تھی۔ ۱۸۶۲ء کے شروع گرما میں لنکن نے اس کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ جون ۱۸۶۲ء میں انہوں نے غلاموں کی نجات کے قانون کا پہلا مسودہ تیار کیا۔ انہوں نے پہلے پہل اس اعلان کے شائع کرنے کا ارادہ اپنی کابینہ کے دو ممبروں سیوارڈ اور ویلیز پر ظاہر کیا۔ ۱۳ جولائی ۱۸۶۲ء کو جب مسٹر اسٹینٹن کے شیر خوار بچے کا جنازہ جا رہا تھا یہ دونوں حضرات لنکن کے ساتھ ان کی

گاڑی میں بیٹھے جا رہے تھے۔ اسی موقع پر اور اسی سواری کے دوران انہوں نے پہلے پہل ذکر کیا کہ وہ غلاموں کی نجات کا اعلان کرنیوالے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلے کی سنجیدگی اس کی اہمیت اور اس کی نزاکت پر سرگرمی کے ساتھ روشنی ڈالی اور وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ یا تو انہیں چاہیئے کہ غلاموں کو فوراً آزاد کر دیں یا خود مغلوب ہو جائیں۔ انہوں نے یہ اعلان کابینہ کے سامنے پیش کیا تو مسٹر سوارڈ نے مشورہ دیا کہ آپ اس مسئلے کو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیں جب تک اسے ملک کے سامنے فتحیابی سے قوت پا کر پیش نہ کر سکیں۔ جنگ سے جو عظیم ترین تباہی ہو رہی ہے اس کے ہوتے یہ اعلان شائع نہ کریں۔ سکریٹری آف اسٹیٹ کی اس دانشمندانہ رائے نے ان کو بہت شدت کے ساتھ متاثر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعلان ملتوی کر دیا گیا اور جنگ میں فتح کا انتظار کیا جانے لگا۔

انیٹی ٹام کی جنگ میں جو فتح حاصل ہوئی وہ فیصلہ کن نہیں تھی۔ اس کو قطعی طور پر فتح نہیں کہا جا سکتا تھا مگر اس سے انہیں اپنی مطلب براری کے لئے جنگی نقطۂ خیال سے ایک بہانہ مل گیا۔ وہ ایسے موقع کی تلاش میں بھی تھے۔ لڑائی چھڑنے کے پانچ روز بعد لنکن نے اس اعلان پر غور کرنے کے لئے کابینہ کا اجلاس طلب کیا۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۶۲ء کو انہوں نے اولین یا ابتدائی اعلان نجات جاری کیا۔ اس اعلان میں لنکن نے یہ فہمائش کر دی تھی کہ اگر باغی ریاستوں نے یکم جنوری ۱۸۶۳ء تک اطاعت نہیں قبول کی تو وہ ایک دوسرا اعلان جاری کر دیں گے جس کی رو سے غلاموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو جائے گی۔ اس فہمائش پر کسی نے بھی کان نہ دیئے۔ سب نے اسے نظر انداز کر دیا اور لنکن کو بھی یہی توقع تھی۔ اس لئے جس روز نیا سال شروع ہوا انہوں نے حد درجہ سادگی اور نہایت مختصر رسم ادائی کے ساتھ آخری اعلان پر دستخط کر دیئے۔ ۶ ستمبر ۱۸۶۴ء کو انہوں نے کانگریس کے نام اپنے پیغام میں ایک مرتبہ اور اس بات کا اعلان کیا کہ جب تک میں اپنے اس موجودہ عہدے پر ہوں میں کسی حال میں بھی اس اعلان نجات کو واپس نہیں لوں گا نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہوں گا نہ ہی میں کسی ایسے شخص کو غلامی کے حلقے میں واپس

جانے دوں گا جو اس اعلان کی رو سے بلکہ کانگرس کے کسی قانون کے تحت آزاد قرار دیا جا چکا ہے۔

# غلاموں کی نجات کا پہلا اعلان

۲۲ ستمبر ۱۸۶۲ء کو لنکن نے کابینہ کا اجلاس طلب کیا اور اس کے سامنے ایک اعلان پڑھا جس کا مسودہ خود انہوں نے تیار کیا تھا۔

یہ تھا وہ عظیم اعلان نجات۔

"میں ابراہیم لنکن، صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ نیز اس کی بری اور بحری فوج کا سالار اعظم اس بات کی منادی کرتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ جیسا کہ اب تک ہوا ہے، آئندہ بھی لڑائی اس مقصد سے جاری رکھی جائے گی کہ ریاستہائے متحدہ کے درمیان نیز ہر ایسی ریاست اور اس کے باشندوں کے درمیان جن میں رابطہ باہم معطل ہو گیا ہو یا اس میں خلل پڑ گیا ہو از سر نو تعلقات بحال کئے جائیں۔

مزید یہ کہ میرا یہ مقصد ہے کہ جب کانگرس کا اگلا اجلاس منعقد ہو میں ایک ایسا عملی قدم اٹھائے جانے کی سفارش کروں جس سے ایسی تمام نام نہاد غلام ریاستوں کو جہاں غلامی رائج ہے مالی امداد بہم پہنچائی جائے خواہ وہ اسے منظور کریں یا نہ کریں ایسی ریاستوں کو مالی مدد پیش کی جائے جن کے باشندے اس زمانے میں ریاستہائے متحدہ کے خلاف بغاوت پر مائل نہ ہوئے ہوں اور جنہوں نے اس وقت رضامندانہ طور پر اپنی اپنی حدود میں غلامی کے فوری یا بتدریج انسداد کی تجویز منظور کر لی ہو یا آگے چل کر رضامندانہ طور پر اسے منظور کریں۔

سن عیسوی کے ایک ہزار آٹھ سو تریسٹھویں برس میں یکم جنوری کو ایسے تمام اشخاص جو کسی ریاست یا اس کے کسی مخصوص حصے میں، جس کے باشندے ریاستہائے متحدہ کے خلاف اس وقت بغاوت کر رہے ہوں، غلام کی حیثیت سے رکھے جاتے ہیں وہ اس وقت سے اور اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد قرار دیئے جائیں گے اور ریاستہائے متحدہ کے حکام نظم و نسق جس میں بری اور بحری حکام بھی شامل ہوں گے

ایسے اشخاص کی یا ان میں سے کسی ایک شخص کی آزادی کو ان کی ہر ایسی کوشش میں جو وہ اپنی صحیح معنوں میں آزادی کے لئے کریں، تسلیم کریں گے اور اسے برقرار رکھیں گے۔

یہ کہ حکام جنوری کے پہلے روز جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ایسی ریاستوں یا ریاستوں کے ایسے حصوں کی تخصیص کر دیں گے جن کے باشندوں نے اس وقت ریاستہائے متحدہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہوگا۔ اگر اس روز ریاستہائے متحدہ کی کسی بھی ریاست یا اس کے باشندوں کی نمائندگی نیک نیتی کے ساتھ ریاستہائے متحدہ کی کانگرس میں اسے انتخابوں میں منتخب شدہ اراکین کے ذریعہ ہوتی ہوگی جن میں اس ریاست کے مستند ووٹروں کی اکثریت نے حصہ لیا ہو یا اگر اتنی ہی وزنی کوئی اور شہادت مہیا ہو تو ان سب باتوں سے یہ قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ ایسی ریاست اور اس کے باشندے اس زمانے میں ریاستہائے متحدہ کے خلاف بغاوت نہیں کر رہے تھے۔"

# غلاموں کی نجات کا آخری اعلان

## یکم جنوری ۱۸۶۳ء

**اعلان:** اپنے اختیارات کی رو سے اور مذکورہ بالا مقصد کی تکمیل کے سلسلے میں میں حکم دیتا ہوں اور اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ صدر نامزدہ ریاستوں یا ان کے مختلف حصوں میں جتنے بھی اشخاص غلام کی حیثیت سے رکھے گئے ہیں وہ آزاد ہیں اور آج سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہوں گے نیز یہ کہ ریاست ہائے متحدہ کے حکام نظم ونسق جن میں بری اور بحری فوج کے حکام بھی شامل ہیں ایسے اشخاص کی آزادی کو تسلیم کریں گے اور اسے برقرار رکھیں گے۔

اور میں ان لوگوں سے بھی جو اعلان کی رو سے آزاد قرار دیئے گئے ہیں یہ کہتا ہوں کہ وہ ہر قسم کے تشدد سے اجتناب کریں۔ تاوقتیکہ تشدد ذاتی مدافعت کے لئے ضروری نہ ہو جائے اور میں ان کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ہر حالت میں جب بھی انہیں کام کرنے کی اجازت دی جائے معقول اجرت پر وفاداری کے ساتھ اپنا

کام سرانجام دیں۔

اور میں یہ اعلان مزید کرتا ہوں اور سب کو اس بات سے آگاہ کرتا ہوں کہ ایسے اشخاص جو اس کام کے لئے موزوں ہوں ریاست ہائے متحدہ کی مسلّح فوجی ملازمت میں لئے جایا کریں گے اور انہیں فوجی قلعوں، مورچوں، اسٹیشنوں اور دوسرے مقامات پر جانا پڑے گا اور اس فوجی ملازمت کے سلسلے میں ہر قسم کے جہازوں پر کام کرنا پڑے گا اور میں اس کارروائی کے سلسلے میں جسے میں صدق دلی کے ساتھ منصفانہ سمجھتا ہوں اور فوجی ضرورتوں کے تحت آئین کی رو سے جس کی ضرورت درپیش ہے دعا کرتا ہوں کہ بنی نوع انسان اس سلسلے میں اپنا سوچا سمجھا فیصلہ صادر کریں اور خداوند تعالیٰ ہم سب پر اپنا لطف و کرم نازل فرمائے۔

# ایک اہم خط

لنکن نے جو چھٹی ۱۸۶۴ء کے موسم بہار میں کنٹکی کے مسٹر ہاجز کے نام لکھی تھی یقیناً اُن کے قلم سے نکلی ہوئی تحریروں میں وہ سب سے زیادہ معرکہ آرا تحریر ہے۔ یہ ان کے معتقدات کا اقرار نامہ ہے اس میں ایک جنگی پالیسی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس تحریر میں انہوں نے اپنے اس حلف کا مفہوم بیان کیا ہے جو انہوں نے آئین کو برقرار رکھنے، اس کے تحفظ کرنے اور اس کی مدافعت کرنے کے سلسلے میں اٹھایا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو نثر نگاری میں کتنی مہارت حاصل تھی۔ جو دلیل دی گئی ہے قاطع ہے اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتی اور اسلوب نگارش نہایت چست اور جامع ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ایک خاص مطلب ادا ہوتا ہے، ایک لفظ کہیں سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور اگر خارج کر دیا جائے تو اس سے لکھنے والے کا صحیح مفہوم قائم نہیں رہتا اصل مطلب فوت ہو جاتا ہے۔ تحریر میں شروع سے آخر تک ایک وقار ایک شان پائی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں حلم و انکسار بھی پایا جاتا ہے جس سے ہر لفظ میں ایک عجیب لطف پیدا ہو گیا ہے۔ یہ چھٹی ایک ایسی

دستاویز ہے جس کا مطالعہ غلامی کی نجات کے متعلق لنکن کی حکومت کی جنگی پالیسی کے بارے میں، انسان کے بارے میں اور خود لنکن کی ذات کے بارے میں امریکہ کی آئینی تواریخ کے ہر طالب علم کو کرنا چاہئے۔ یہ اپنے ڈھنگ کی ایک لاجواب تحریر ہے۔

"جناب عالی!

آپ نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ جو کچھ میں نے اس روز آپ کی موجودگی میں گورنر برام لیٹ اور سینیٹر ڈکسن سے زبانی کہا تھا اس کا خلاصہ تحریری شکل میں پیش کروں۔ یہ گفتگو کچھ اس قسم کی تھی۔

"میں قدرتی طور پر غلامی کا مخالف ہوں اگر غلامی گناہ نہیں تو پھر کوئی بھی چیز گناہ نہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی موقع پر بھی اس انداز سے نہ سوچا ہو، نہ محسوس کیا ہو اور اس کے باوجود میں نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ صدارت کا عہدہ مل جانے سے مجھ کو اپنے اس فیصلے اور اس احساس کے مطابق سرکاری طور پر عمل کرنے کا غیر محدود حق حاصل ہو گیا ہے۔ میں نے جو حلف اٹھایا تھا اس میں یہ کہا تھا کہ میں حتی المقدور ریاستہائے متحدہ کے آئین کو برقرار رکھوں گا، اس کا تحفظ کروں گا اور اس کی مدافعت پر نظر رکھوں گا۔ حلف اٹھائے بغیر مجھے یہ عہدہ مل ہی نہیں سکتا تھا۔ نہ میرے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ میں اختیار و اقتدار حاصل کرنے کے لئے حلف اٹھاؤں اور جب اپنے اختیارات سے کام لوں تو اس حلف کی خلاف ورزی کروں اسے توڑ دوں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ معمولی سول انتظام حکومت کے دوران میں غلامی کے اخلاقی سوال کے متعلق میرے جو کچھ اصولی فیصلے ہیں میرا یہ حلف ان کو عملی شکل میں لانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس بارے میں متعدد بار اور متعدد موقعوں پر میں نے پبلک کے سامنے اعلان بھی کیا اور میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک غلامی کے متعلق اپنے اصولی فیصلے اور اپنے جذبہ و احساس کے مطابق سرکاری حیثیت سے کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔ میں بہر حال یہ جانتا تھا کہ جو حلف میں نے آئین کو حتی المقدور برقرار رکھنے کے سلسلے میں اٹھایا تھا اس کی رو سے مجھ پر

یہ واجب تھا کہ ہر ایسے طریقے سے جو اس مقصد کے لئے ناگزیر تھا اس حکومت اس قوم کا تحفظ کروں اس کو برقرار رکھوں جس کا بنیادی قانون یہ آئین ہے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ قوم کو گنوا کر آئین کا تحفظ کیا جائے اسے برقرار رکھا جائے۔ عام قانون کے مطابق تو جان کی بھی حفاظت ہونا چاہئے اور جسم کے ایک ایک عضو کی بھی لیکن بعض مرتبہ جان بچانے کے لئے جسم کے کسی حصے کو کاٹ بھی دینا پڑتا ہے لیکن عضو کو بچانے کے لئے جان کا زیاں کر دینا دانائی سے بعید ہوتا ہے۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ جو اقدام دوسری صورتوں میں غیر آئینی ہوتے ہیں وہ اس لحاظ سے قانوناً جائز ٹھہر سکتے ہیں کہ قوم کے تحفظ کے ذریعہ آئین کا تحفظ کرنے میں ان کے بغیر کام نہیں چلتا خواہ میرا یہ فعل درست ہو خواہ غلط میں نے یہی روش اختیار کی اور اب میں اس کا صاف صاف اور علانیہ اقرار کرتا ہوں۔ اگر غلامی یا کسی اور چھوٹی چیز کو بچانے کے لئے میں حکومت، ملک اور آئین کی بربادی گوارا کرتا تو مجھے یہ احساس کبھی نہ ہوتا کہ میں نے آئین کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش بھی کی ہے۔ جب جنگ کے ابتدائی زمانے میں جنرل فری مانٹ نے فوجوں کی مدد سے غلاموں کو نجات دلانے کی کوشش کی تو میں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا کیونکہ اس زمانے میں میں اس اقدام کو ایک ناگزیر ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ پھر جب تھوڑے دنوں کے بعد جنرل کیمرن کی یہ رائے ہوئی جو اس زمانے میں محکمہ جنگ کے سکرٹری تھے کہ حبشیوں کو مسلح کر دیا جائے تو بھی میں نے اعتراض کیا کیونکہ میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد جب جنرل ہنٹر نے فوجی کارروائی کے ذریعہ غلاموں کو نجات دلانے کی کوشش کی میں نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا کیونکہ اس وقت بھی میرا یہی خیال تھا کہ ابھی ناگزیر ضرورت درپیش نہیں آئی ہے۔ پھر جب ۱۸۶۲ء کے ماہ مارچ، مئی اور جولائی میں میں نے مخلصانہ اور مسلسل درخواستیں سرحدی ریاستوں سے غلاموں کی بالمعاوضہ نجات کے سلسلے میں کیں اس وقت مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ غلاموں کی نجات کے لئے فوجی کارروائی کرنے کی اور حبشیوں کو

مسلح کرنے کی اب سخت ضرورت ہے اس کے بغیر کام نہیں چلے گا تاوقتیکہ بالمعاوضہ نجات کا قدم نہ اٹھایا جائے۔ اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا گیا اور میں اپنی سمجھ کے مطابق اس نتیجہ پر پہونچا کہ یا تو میں یونین کو اور اس کے ساتھ ہی آئین کو مخالفوں کے حوالے کر دوں یا پھر حبشیوں کی مضبوطی کے ساتھ پشت پناہی کروں۔ ان کے سر پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھوں۔ میں نے ثانی الذکر قدم اٹھانا مناسب سمجھا۔ جب میں نے یہ طریقہ کار پسند کیا تو مجھے امید تھی کہ اس سے نقصان کے بمقابلہ فائدہ زیادہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی مجھے مکمل طور پر اعتماد نہیں تھا۔ اب ہماری آزمائش کی مدت ایک سال سے زیادہ ہو چکی ہے مگر اس سے ہمارے غیر ملکی تعلقات کو کوئی نقصان نہیں پہونچا نہ ہمارے داخلی عوامی جذبات کو کوئی ٹھیس پہونچی نہ ہماری گوری رنگ کی فوجوں کا کچھ بگڑا۔ بہر حال کسی طریقے سے بھی اور کہیں بھی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہونچا بخلاف اس کے ایک لاکھ تیس ہزار سپاہی، سمندری کام کرنے والے اور مزدور ہمارے ہاتھ آگئے۔ یہ صاف اور صریح حقائق ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں کوئی حرف زنی نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس آدمی ہیں اور اگر ہم یہ قدم نہ اٹھاتے تو یہ لوگ ہمارے ہاتھ نہ آتے۔

اور یونین میں جس شخص کو بھی یہ شکایت ہو کہ ایسا قدم کیوں اٹھایا گیا تو اس کو چاہئے کہ ایک سطر میں یہ الفاظ لکھ کر اپنے آپ کو جانچے اور پرکھے کہ وہ بغاوت کو اسلحے کے زور سے فرو کرنے کا حامی ہے اور دوسری سطر میں یہ تحریر کرے کہ وہ اس بات کے حق میں ہے کہ ان ایک لاکھ اور تیس ہزار آدمیوں کو یونین سے لے جا کر وہاں رکھا جائے جہاں وہ اس کارروائی کے نہ کئے جانے کی حالت میں رہتے جو اس کی نظر میں مذموم تھی۔ اگر وہ اپنے اس معاملہ سے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے عہدہ برا نہیں ہو سکتا تو اس کا سبب محض یہی ہے کہ وہ صداقت کے آگے ٹھہر نہیں سکتا۔ ایک بات میں اور کہہ دوں جو میں نے زبانی گفتگو کے دوران میں نہیں کہی تھی۔ اس داستان کے بیان کرنے کا منشا یہ نہیں کہ میں خود کو اپنی دور اندیشی کے لئے سراہنے

کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے حالات پر قابو پا لیا ہے۔ البتہ کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ خود حالات نے مجھ کو زیر قابو کر لیا ہے۔ اب تین سال کی تبرد آزمائی کے بعد قوم کی وہ حالت نہیں ہے جو دونوں میں سے کسی ایک جانب نے یا کسی ایک انسان نے اختراع کی ہو یا جس کی اس نے توقع کی ہو۔ ایسا دعویٰ تو باری تعالیٰ ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ اب یہ حالت کیا رخ اختیار کرے گی، یہ بالکل صاف طور پر ظاہر ہے اگر خدا کی مرضی یہ ہے کہ ایک گناہ عظیم کا سدباب ہو جائے اور اگر وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ایک طرف ہم شمال والے اور دوسری طرف آپ جنوب والے دونوں اس گناہ میں اپنی اپنی شرکت کا خمیازہ اٹھائیں تو جو بھی تاریخ غیر جانبدارانہ طور پر لکھی جائے گی اس کو اس گناہ میں خداوند تعالیٰ کی معدلت گستری اور نیکی کی تصدیق اور اس کا احترام کرنے کا ایک جدید جواز نظر آئے گا۔

لنکن کی چٹھی اے جی ہاجز کے نام
۴ اپریل ۱۸۶۴ء

# غلام کون ہو؟

میرا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ تمام انسانوں کو آزاد ہونا چاہئے لیکن اگر کچھ انسانوں کا غلام ہونا ضروری ہو تو پہلے ان لوگوں کو غلام ہونا چاہئے جو غلامی کو خود اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور اس کے بعد ان لوگوں کو غلام ہونا چاہئے جو غلامی کو دوسروں کے لئے پسند کرتے ہیں۔ جب میں کسی کو غلامی کی حمایت کرتے ہوئے پاتا ہوں تو میرے دل میں یہ جذبہ بہت زور سے اٹھتا ہے کہ خود اس شخص کی گردن میں طوق غلامی ڈال کر دیکھا جائے کہ اس سے اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

انڈیانا رجمنٹ کے سامنے تقریر
۱۷ مارچ ۱۸۶۵ء

# سلف گورنمنٹ

## یا

## حکومت خود اختیاری

### (سوراجیہ)

**حکومت خود اختیاری کا حق** مصالحت مسوری کی منسوخی کے حق میں ایک بہت بڑی دلیل ابھی اور بھی پیش کی جانے والی ہے۔ وہ دلیل ہے سلف گورنمنٹ یا حکومت خود اختیاری کے مقدس حق کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ممتاز سینیٹر صاحب کو سینیٹ میں بھی اس دلیل سے اپنے مخالفوں کو قائل کرنے میں بڑی وقت پیش آئی۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔

"جس جگہ قدم رکھتے ہوئے فرشتے بھی ڈرتے ہیں احمق وہاں جھپٹ کر پہونچ جاتے ہیں"

خواہ اس قول کے مطابق لوگ مجھے احمق ہی کیوں نہ قرار دیں میں اس دلیل کا مقابلہ کرتا ہوں اور جو مسئلہ میرے سامنے درپیش ہے اس سے دو بدو نپٹنے کو تیار ہوں۔ اس بیل کو سینگوں سے پکڑ کر اس سے زور آزمائی کے لئے آمادہ ہوں۔

میں یقین کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ حکومت خود اختیاری کیا چیز ہے مجھے اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہے۔ میرے اعتقاد کا دار و مدار اس اصول پر ہے کہ ہر شخص کو اپنی ذات سے متعلق ہر معاملے میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا حق حاصل ہے یہی وہ مقام ہے جہاں میرے جذبۂ انصاف کی بنیاد قائم ہے۔

میں ان اصولوں کا اطلاق انسانوں کی جماعتوں پر بھی کرتا ہوں اور افراد واحد

پر بھی کیونکہ ایسا کرنا سیاسی طور پر بھی ایک دانشمندانہ فعل ہے اور قدرتی طور پر بھی منصفانہ ہے سیاسی طور پر دانشمندانہ اس لئے ہے کہ ایسا کرنے سے ہم ان تمام خرخشوں سے بچ جاتے ہیں جن کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس مقام پر یا واشنگٹن میں نہ مجھے ورجینیا کے سپیوں سے متعلق قانون سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت ہے نہ انڈیانا کے ان قوانین سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت ہے جن کا تعلق کرین بری سے ہے۔

سیلف گورنمنٹ کا اصول صحیح ہے مکمل طور پر صحیح ہے اور ہمیشہ کے لئے صحیح ہے لیکن اس کا مناسب استعمال ابھی نہیں ہوا ہے۔ مجھے تو یہی کہنا چاہئے کہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ اس کا اطلاق صحیح ہوتا ہے یا نہیں پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ حبشی بھی انسان ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ انسان نہیں ہے تو پھر اس شخص کو جو انسان ہے کیا حق حاصل ہے کہ بطور حکومت خود اختیاری حبشی سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے۔ لیکن اگر حبشی بھی انسان ہے تو کیا یہ امر حکومت خود اختیاری کی بربادی کے مترادف نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کام نہ کرے اپنے اوپر اپنی حکومت نہ چلائے۔ جب سفید رنگ والا انسان خود اپنے اوپر حکومت کرتا ہے تو وہ حکومت خود اختیاری کہلاتی ہے لیکن جب وہ خود اپنے آپ پر بھی حکومت کرتا ہے اور دوسروں پر بھی اپنا حکم چلاتا ہے تو ایسی حالت میں اس کی خود مختاری خود مختاری نہیں رہتی اس سے زیادہ کچھ اور چیز ہو جاتی ہے۔ اسی چیز کا نام ہے مطلق العنانی۔

اگر حبشی بھی انسان ہے تو پھر میرا قدیم عقیدہ مجھے یہ سبق کیوں دیتا ہے کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہوتے ہیں اور ایسی حالت میں ایک انسان کا دوسرے انسان کو اپنا غلام بنانے کا کوئی اخلاقی جواز باقی نہیں رہتا۔

اکثر و بیشتر جسٹس ڈگلس طنز و تشنیع کے طور پر ہماری دلیل کی یہ تاویل کرتے ہیں اس کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ نبراسکا کے سفید فام باشندوں کا یہ بڑا کرم ہے کہ وہ چند مصیبت زدہ حبشیوں پر حکومت کرتے ہیں۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ نبراسکا کے باشندے اسی طرح نیک سرشت ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے جس طرح اوسطاً کسی اور جگہ کے باشندے نیک سرشت

ہوتے ہیں۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کہتا جس سے اس کلیے کی تردید ہوتی ہو۔ ہاں جو کچھ میں کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اتنا زیادہ نیک سرشت نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس پر حکمرانی کرے۔ میں کہتا ہوں کہ سربرآوردہ اصول یہی ہے۔ یہی امریکی جمہوریت کے جہاز کا سب سے بڑا لنگر ہے۔ ہمارے اعلان آزادی میں کہا گیا ہے:۔

"ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حقیقتیں بذات خود نمایاں ہیں کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہوتے ہیں۔ ان کے خالق کی طرف سے ان کو چند حقوق ودیعت کئے گئے ہیں جو کسی اور کو منتقل نہیں کئے جا سکتے۔ یہ حقوق کیا ہیں زندگی، آزادی اور حصول مسرت۔ اور انہیں حقوق کے تحفظ کے لئے نوع انسانی میں حکومتیں بنائی جاتی ہیں جن میں حکمرانوں کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں محکوموں کی رضامندی سے حاصل ہوتے ہیں۔"

میں نے اس وقت ان تمام باتوں کا ذکر محض یہ ثابت کرنے کے لئے کیا ہے کہ ہمارے دیرینہ عقیدہ وایمان کے مطابق حکومت کے جائز اختیارات محکوموں کی رضامندی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ ایک آقا اور اس کے غلاموں کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ یہ تعلقات تو بالکل مطلق العنانہ ہیں۔ ان سے تو اس اصول کی تمام وکمال خلاف ورزی ہوتی ہے۔ آقا نہ صرف یہ کہ غلام پر اس کی مرضی کے خلاف حکومت کرتا ہے بلکہ وہ کچھ ایسے بندھے ٹکے قاعدوں کی رو سے اس پر حکمراں ہوتا ہے جو ان قاعدوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جنہیں آقا خود اپنے لئے مقرر کرتا ہے۔ تمام محکوموں کو حکومت کے کاروبار میں مساوی طور پر اظہار رائے کا حق دیجئے۔ محض اسی حق کے حاصل ہونے کا نام ہے حکومت خوداختیاری۔

کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ میں سفید فام اور سیاہ فام باشندوں کے درمیان سیاسی اور سماجی مساوات قائم کرنے کے لئے لڑ جھگڑ رہا ہوں۔ میں پہلے ہی اس خیال کی تردید کر چکا ہوں۔ میں اس وقت "ضرورت" کی دلیل کے خلاف کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ ضرورت کا سوال تو اس حقیقت سے پیدا ہوتا ہے کہ سیاہ فام باشندے تو ہم میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ میرا جھگڑا تو اس چیز کے ساتھ ہے جس کو اخلاقی جواز کے

طور پر اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اس کے تحت یہ لوگ وہاں لے جائے جاسکیں جہاں وہ ابھی تک نہیں گئے ہیں میرا کہنا تو یہ ہے کہ ایک خراب چیز کو وسعت نہ دی جائے۔ اس کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے اور اگر کہیں یہ چیز پہلے ہی سے موجود ہے تو اس کا انتظام حتی المقدور زیادہ سے زیادہ اچھی طرح ہونا چاہیئے۔

## ووٹ اور گولی

۱۸۵۶ء میں لنکن قطعی طور پر ری پبلکن پارٹی کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے بلومنگٹن کے مقام پر سرکاری کنونشن کی تنظیم میں عملی طور پر رہنمائی کی رہیں انہوں نے وہ مشہور و معروف تقریر فرمائی جسے تقریر گم شدہ کہا جاتا ہے اور جسے مقامی روایات کے مطابق ایک ایسی انتہائی کوشش قرار دیا گیا جس نے متخالف اور مختلف العقیدہ عناصر کو ایک پارٹی میں متحد کر دیا۔ چونکہ ان کی تقریر کا ایک لفظ بھی اخبار نویسوں نے قلم بند نہیں کیا اسی لئے ان کی یہ تقریر، تقریر گم شدہ کے رومانی نام سے مشہور رہی۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ ہمیں جلد یا بدیر طاقت کا طاقت سے مقابلہ کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے اور اگر ہم خود ایماندار ہیں تو غالباً یہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ اس باب میں کسی غلط فہمی کو راہ نہ دیجئے کہ ووٹ، گولی سے قوی تر ہوتا ہے اس لئے اگر غلامی کے حامی گولی سے کام لینا چاہیں تو وہ شوق سے ایسا کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں نومبر تک صبر کے ساتھ توقف کرنا چاہیئے اور جب وقت آئے تو ہمیں ان گولیوں کا جواب "ووٹ" سے دینا چاہیئے اور مجھے یقین ہے کہ اس صلح پسندانہ پالیسی کے اختیار کرنے سے آخر کار ہماری جیت ہو گی۔

بلومنگٹن الی نوائس کی گمشدہ تقریر کی ایک رپورٹ سے ماخوذ

۲۹ مئی ۱۸۵۶ء

## حکومت خود اختیاری یا سوراجیہ

جہاں تک حکومت خود اختیاری یا سوراجیہ کے معنی میری سمجھ میں آتے ہیں میں بھی اس میں ایمان رکھتا ہوں۔ اس کا قائل ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی شخص کا دوسرے کو غلام بنانے یا بنائے رکھنے کا حق جتانا حکومت خود اختیاری یا سوراجیہ کا جزو کیونکر ہو سکتا ہے۔

میرے خیال میں اس کو حکومت خود اختیاری کہنا محض لغو اور مضحکہ خیز ہے۔ میں اس خیال کا حامی ہوں کہ تمام قوم کے لوگوں کو ایسے تمام معاملات میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیئے جن کا تعلق تمام قوم سے ہو۔ اسی طرح قوم کا کوئی ایک جزو بھی ان معاملات میں حسب مرضی عمل کرنے کا مجاز ہے جن کا تعلق کسی اور دوسرے جزو سے نہ ہو نیز ہر فرد کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسے تمام معاملات میں اپنی مرضی کے مطابق عمل پیرا ہو جن کا تعلق کسی دوسرے شخص سے نہ ہو یہ ہے اصول کی بات۔

تقریروں کے لئے یادداشت۔ یکم اکتوبر ۱۸۵۸ء

## ریاستوں کے اختیارات

ریاستوں کے حقوق کو صحیح و سالم برقرار رکھنا اور خاص طور پر اس بارے میں ہر ریاست کے حقوق کو برقرار رکھنا کہ اس کو اپنے اندرون خانہ دستوروں کو اپنی رائے کے مطابق چلانے اور ان کی نگرانی کرنے کا پورا حق حاصل ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ طاقتوں کا وہ توازن قائم رہے جس پر ہمارے سیاسی نظام کی تکمیل اور اس کی پائداری کا دار و مدار ہے۔

ڈف گرین کے نام چٹھی۔ ۲۴ دسمبر ۱۸۶۴ء

## پہلا افتتاحی خطبہ

۴ مارچ ۱۸۶۱ء کو لنکن نے اپنے پہلے افتتاحی خطبہ میں بتایا کہ جنوبی ریاستوں کو یونین میں رکھنے کے لئے کس طرح صبر و سکون کے ساتھ ترغیب و تحریص سے کام لینا چاہیئے۔ انہوں نے ان لوگوں سے خانہ جنگی سے باز رہنے کے لئے اپیل کی۔

چیف مجسٹریٹ کو جتنے بھی اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ سب عوام کے دیئے ہوئے ہوتے ہیں اور عوام نے اس کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ ریاستوں کی علٰحدگی کے لئے شرطیں مقرر کرے۔ عوام اگر چاہیں تو یہ کام خود انجام دے سکتے ہیں لیکن نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے حاکم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کا کام تو یہ ہے کہ وہ موجودہ حکومت کو جس صورت میں یہ حکومت اس کو سپرد کی گئی ہے، چلائے اور اس کے بعد کوئی نقصان پہونچائے بغیر اس حکومت کو اپنے جانشین کے حوالے کر دے۔

تو پھر ہمیں صبر و سکون کے ساتھ عوام کے آخری انصاف پر بھروسہ کیوں نہیں کرنا چاہئے۔ کیا اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھروسے کی کوئی اور چیز دنیا میں ہے۔ جانبین میں جو اختلافات ہیں ان کی موجودگی میں کیا کسی ایک جانب کو بھی اپنے حق پر ہونے میں اعتقاد نہیں ہے۔ اگر قوموں کا قادر مطلق حکمراں اپنے دوامی حق اور انصاف کے ساتھ آپ میں سے ان لوگوں کی طرف ہے جو شمال یا جنوب سے تعلق رکھتے ہیں تو یقیناً اس عظیم ٹریبونل یعنی باشندگان امریکہ کی رائے سے وہی حق اور وہی انصاف سب پر غالب آئے گا سب اسی کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔

جس حکومت کے ماتحت ہم رہتے ہیں اس کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اس میں امریکہ کے انہیں باشندوں نے دانشمندی سے کام لیکر تھوڑے بہت اختیارات اپنے عوامی خادموں کو دے رکھے ہیں جن کی وجہ سے اگر یہ عوامی خادم کوئی شرارت کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے اور اسی طرح انہیں باشندوں نے مکمل دانائی سے کام لیکر ایسا قانون بنا دیا ہے جس کے ماتحت وہ عوامی خادموں کی دی ہوئی وہ تھوڑی سی طاقت بھی تھوڑے تھوڑے وقتوں کے بعد واپس بھی لے سکتے ہیں۔

جب تک لوگ نیک عمل رہیں گے اور دیکھ بھال سے کام لیتے رہیں گے یہ ناممکن ہے کہ عمال حکومت انتہا درجے کی شرارت یا حماقت سے کام لیکر بھی چار سال کی قلیل مدت میں حکومت کو کوئی سنگین قسم کا نقصان پہونچا سکیں۔

میرے تمام ہموطن اس معاملے میں بہت خاموشی اور سنجیدگی سے غور کرتے ہیں اور بہت اچھی طرح غور کرتے ہیں۔ اگر اس غور و خوض میں زیادہ وقت لگ جائے تو کوئی خاص نقصان نہیں پہونچتا۔ اگر کوئی ایسا مقصد پیش نظر ہو جس کے سلسلے میں جلد بازی سے کام لیکر آپ کو کوئی ایسا قدم اٹھانے کے لئے آمادہ کیا جائے جو آپ سمجھ بوجھ سے کام لیکر کبھی نہ اٹھاتے تو وہ مقصد اس وقت سے جو سوچنے سمجھنے میں لگ جائے گا فوت ہو جائے گا لیکن اس سے کوئی نیک مقصد فوت نہیں ہوگا۔

آپ میں سے جو حضرات ابھی غیر مطمئن ہیں ان کے ہاتھ میں قدیم آئین موجود ہے اور جہاں تک آپ کے احساسات کا تعلق ہے وہ قانون بھی موجود ہیں جو آئین کے تحت آپ نے خود بنائے ہیں اور دوسری طرف جدید عمال حکومت کو کوئی فوری اختیار ایسا نہیں حاصل ہوگا جس

کی رو سے دونوں میں سے کسی ایک چیز کو بھی تبدیل کیا جا سکے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ میں سے جو حضرات ابھی غیر مطمئن ہیں، اس مناقشے میں حق بجانب ہیں تو بھی کسی عاجلانہ اور ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھانے کا کوئی واجبی جواز نظر نہیں آتا۔ ذہانت، حب الوطنی، عیسائیت اور اس ذات باری تعالیٰ پر بھروسہ جس نے کبھی اس محبوب خطے کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ان سب چیزوں میں ابھی طاقت موجود ہے جس سے ہماری تمام موجودہ مشکلات بہترین طور پر دور ہو سکتی ہیں۔

میرے غیر مطمئن ہموطنو! خانہ جنگی کا مسئلہ عظیم میرے ہاتھ میں نہیں آپ کے ہاتھ میں ہے حکومت کی طرف سے آپ پر کوئی حملہ نہیں ہو گا جب آپ خود حملہ نہیں کریں گے تو کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ نے خدا کے سامنے کوئی قسم تو حکومت کو تباہ کرنے کے لئے کھائی نہیں ہے، مگر میں نے حکومت کو برقرار رکھنے اس کی حفاظت کرنے اور اس کی حمایت کرنے کے لئے نہایت صدق دلی کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

دل تو نہیں چاہتا کہ میں یہ سلسلہ تقریر ختم کر دوں ہم لوگ ایک دوسرے کے دشمن نہیں دوست ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے جذبات میں تناتنی پیدا ہو گئی ہے مگر اس سے اس رشتہ محبت کو ٹھیس نہیں پہنچنا چاہئے جو ہمارے اور آپ کے درمیان قائم ہے۔ اس وسیع و عریض ملک میں یادوں کے پراسرار تار جو ہر میدان جنگ اور ہر محب وطن کی قبر سے لیکر زندہ رہنے والے ہر شخص کے دل اور دفن شدہ ہر شخص کے دل تک پھیلے ہوئے ہیں، ہماری فطرت کے بہترین فرشتوں کے ہاتھ سے جس وقت چھڑیں گے اور چھڑیں گے ضرور تو پھر ہم سب اور بھی زیادہ تعداد میں مل کر یونین کی عظمت کے گیت گائیں گے

## کچھ گیٹس برگ کے خطبے کے متعلق

۱۹ نومبر ۱۸۶۳ء کو ابراہم لنکن نے گیٹس برگ واقع پنسل وینیا میں جو خانہ جنگی کے دوران میدان کارزار بن گیا تھا قومی قبرستان کی رسم افتتاح کے موقع پر اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا گیٹس برگ میں اہل امریکہ کی دو عظیم فوجیں یعنی ایک جنوب والوں کی فوج جس کے سپہ سالار لی تھے اور دوسری شمال والوں کی فوج جو میڈ کے زیر کمان تھی ایک نہایت خونریز معرکے میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما

ہوئی تھیں۔ یہ وہ معرکہ تھا جو جنگ کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ اس سے جنگ کا رخ پلٹ گیا۔

## گیٹس برگ کا خطبہ

آج سے ۸۷ سال پیشتر ہمارے بزرگوں نے اس برّاعظم میں ایک نئی قوم کو جنم دیا جو آزادی کا تصور لیکر معرض وجود میں آئی تھی اور جس کا ایمان اس قول میں تھا کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں۔

اس وقت ہم ایک بہت بڑی خانہ جنگی میں مبتلا ہیں جس میں اس بات کی آزمائش ہو رہی ہے کہ کیا ہماری یہ قوم یا اور کوئی قوم جس کا یہ تصور اور یہ ایمان ہے زیادہ عرصے تک مصیبتیں جھیل سکتی ہے۔ ہم اس جنگ کے ایک عظیم میدان کارزار میں مجتمع ہوئے ہیں اور ہم اسی میدان کارزار کے ایک حصے کو ان لوگوں کی آخری آرامگاہ کے لئے وقف کر رہے ہیں جنہوں نے اس مقصد کے لئے اپنی جانیں گنوائی ہیں کہ قوم زندہ رہے۔ مناسب اور موزوں یہی ہے کہ ہم یہ کام سرانجام دیں۔

لیکن وسیع معنوں میں اس زمین کو وقف کرنا، اس کو بھینٹ چڑھانا اور اس کا احترام کرنا ہمارے بس کی بات نہیں جن بہادروں نے یہاں جانبازی کے جوہر دکھلائے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں، انہوں نے اس زمین کو اتنا مقدس بنا دیا ہے کہ نہ تو ہمارے لئے اس تقدیس میں کسی قسم کا اضافہ کرنا ممکن ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی کمی کرنا۔ جو کچھ ہم یہاں کہہ رہے ہیں دنیا اس کی طرف توجہ نہیں دے گی اور نہ اس کو زیادہ دنوں تک یاد رکھے گی لیکن دنیا ان کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی جو ان بہادروں نے سرانجام دیئے ہیں۔ اب یہ کام ہم لوگوں کا ہے جو بقید حیات ہیں کہ جتنا کام وہ لوگ جنہوں نے یہاں داد شجاعت دی ہے اتنی نیک نفسی کے ساتھ انجام دے گئے ہیں، اس کو آگے بڑھائیں جس قدر کام باقی رہ گیا ہے اس کے لئے اپنا سب کچھ ارپن کر دیں۔ اب تو یہ ہمارا کام ہے کہ جو کار عظیم ہمارے سامنے نامکمل پڑا ہوا ہے اس کو مکمل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ یہی وہ جاں دادگان محترم ہیں جن سے ہم کو اس تحریک کے لئے زیادہ جذبہ پرستش حاصل کرنا چاہیے جس کے لئے انہوں نے اتنی زیادہ قربانی کی ہے، اپنے آپ کو مکمل طور پر وقف کر دیا ہے۔ ہم نہایت شد و مد کے ساتھ طے کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ ان سب لوگوں نے اپنی جانیں بیکار ضائع نہیں کی ہیں نیز یہ کہ خدا کے زیر سایہ یہ قوم آزادی کو از سر نو جنم دے گی اور جو حکومت عوام کی ہو گی عوام کے ہاتھوں میں ہو گی

اور عوام کے لئے ہو گی وہ صفحہ ہستی سے کبھی نیست و نابود نہیں ہو گی۔

ابراہیم لنکن — قومی قبرستان کی رسم انتساب کے موقع پر۔

۱۹ر نومبر ۱۸۶۳ء

## کار آزمودہ سپاہیوں سے خطاب

۱۸۶۴ء کے وسط میں لڑائی کا رخ بالآخر یونین کے حق میں پلٹ گیا اور لنکن صدارت کے لئے دوبارہ نامزد کر دیئے گئے۔ اسی سال اگست کے مہینے میں انہوں نے ان کار آزمودہ سپاہیوں کے ایک رجمنٹ کے سامنے تقریر کی جن کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ سب حضرات اپنے بال بچوں اور دوستوں سے ملنے کے لئے اپنے گھر جا رہے ہیں۔ آپ نے اس عظیم جدوجہد میں جس میں ہم سب اس وقت مصروف ہیں جو خدمت انجام دی ہے اس کے لئے میں اپنی طرف سے اور سارے ملک کی جانب سے نہایت صدق دلی کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جب کبھی مجھے سپاہیوں کے سامنے کچھ کہنے کا موقع ملتا ہے تو اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ میں چند مختصر باتوں کے دوران میں ان کے دلوں پر اس کامیابی کی اہمیت نقش کر دوں جو اس کشمکش میں حاصل ہوتی ہے۔ یہ تو صرف آج ہی کے لئے نہیں ہر آئندہ زمانے کیلئے مناسب ہے کہ ہم اپنی اولاد کی اولاد کے لئے اس عظیم الشان اور آزاد حکومت کو ہمیشہ قائم رکھیں جس سے ہم نے تمام تر فائدہ اٹھایا ہے۔ میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری یہ بات محض میرے فائدے کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے فائدے کے لئے یاد رکھیں۔ میں تو اس عظیم الشان وہائٹ ہاؤس میں اتفاقاً محض تھوڑے عرصے کے لئے آیا ہوں۔ میں اس بات کی زندہ شہادت ہوں کہ آپ حضرات کی اولاد اس ایوان میں جگہ حاصل کرنے کی متمنی ہو جس طرح میرے باپ کی اولاد یہاں تک پہنچی ہے۔ قاعدے کی بات یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص کو اس آزاد حکومت کے وسیلے سے جس سے ہم نے اس قدر فائدہ اٹھایا ہے اپنی محنت، فراخ حوصلگی اور ذہانت کے جوہر دکھانے کے لئے کھلا میدان اور مناسب و معقول موقع حاصل ہونا چاہئے زندگی کی دوڑ میں آپ سب کو مساوی حقوق ملنا چاہئیں اور آپ کے وہ سب واجبی ارمان اور حوصلے

پورے ہونے چاہئیں جو ایک انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس تمام جدوجہد کا جاری رہنا ضروری ہے تاکہ ہم اپنے پیدائشی حق سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں اور یہ جدوجہد صرف ایک ہی سال تک نہیں بلکہ دو یا تین سال تک برابر جاری رہنا چاہئے۔ قوم کی حمایت میں جنگ کا جاری رہنا ضروری ہے تاکہ ایسے بے بہا رتن ہمارے ہاتھ آسکے۔

## زیادہ سے زیادہ آزادی

کوئی واحد انسان یا کئی انسان مل کر خواہ کچھ بھی کریں حکومت کا برقرار رہنا ہر حال میں ضروری ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے سلسلے میں آپ حکومت کے لئے جتنی بھی جدوجہد کر سکتے ہیں کیجئے۔ دنیا بھر میں کہیں بھی ایسی کوئی حکومت نہیں ہے جس میں اتنی آزادی اتنی مساوات ہو۔ ہم میں سے ہر ادنیٰ سے بھی ادنیٰ اور نادار سے بھی نادار شخص کو زیادہ سے زیادہ بلند حقوق اور مرتبے حاصل ہو سکتے ہیں۔

۱۴۸ ویں اوہیو رجمنٹ کے ساتھ گفتگو

۳۱ اگست ۱۸۶۴ء

# آزادانہ انتخاب

نومبر ۱۸۶۴ء میں ایک سپاس نامے کے جواب میں لنکن نے اپنے دوبارہ انتخاب کے سلسلے میں توجیہات بیان فرمائیں۔

مدتوں سے ہمارے سامنے ایک یہ اہم سوال در پیش ہے کہ کیا کوئی حکومت جو اپنے باشندوں کی آزادی کی حفاظت کے لئے کافی مضبوط نہ ہو بڑی نازک صورت حالات میں اتنی مضبوط اور توانا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا وجود برقرار رکھ سکے۔ اس مسئلے پر موجودہ بغاوت نے ہماری جمہوری حکومت کو سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے اور بغاوت کے دوران ہی میں حسب معمول صدارتی انتخاب عمل میں آیا۔ اس سے اس دباؤ میں کچھ کم اضافہ نہیں ہوا جو ہم پر پڑا ہوا ہے اگر بغاوت کے سبب سے متحدہ طور پر وفادار باشندوں کو حتیٰ الامکان زیادہ سے زیادہ جانفشانی سے

کام لینا پڑے تو کیا ان کو منقسم ہو جانے پر آپس میں سیاسی جنگ کے باعث شکست کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا اور کیا وہ جزوی طور پر مفلوج نہیں ہو جائیں گے۔

لیکن انتخاب کا ہونا بھی ضروری تھا۔

انتخاب کے بغیر ہمیں آزاد حکومت نہیں مل سکتی اور اگر بغاوت کے سبب سے ہمیں انتخاب ترک یا ملتوی کرنا پڑتا تو اس کا بجا طور پر مطلب یہ ہوتا کہ بغاوت کرنیوالوں نے ہم پر فتح پالی ہم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ انتخاب کی جنگ تو انسانی فطرت کا عملی پہلو ہے جو کسی معاملے کے امور واقعی سے وابستہ ہوتا ہے۔ جو کچھ واقعات اس قضیے میں پیش آئے ہیں وہ ایسے ہی اور ہر قضیے کے سلسلے میں ہمیشہ پیش آ سکتے ہیں۔ انسانی فطرت تو تبدیل ہوتی نہیں مستقبل میں جب بھی قوم کو کسی آزمائش کا سامنا ہوگا اس میں بھی اس آزمائش میں حصہ لینے والوں کی طرح کمزور اور طاقتور، احمق اور عقلمند اور خراب اور اچھے ہر قسم کے انسان ہیں گے اس لئے آزمائش کے دوران میں جو واقعات پیش آئے ہیں ہم کو ان کا مطالعہ اس خیال سے کرنا چاہئے کہ ہم ان سے بطور فلسفہ دانائی حاصل کریں اور کسی بھی واقعہ کو ایک ایسی خطا، ایسا جرم نہ سمجھیں جو انتقام کا سزاوار ہو لیکن انتخاب کے سلسلے میں جو ضمنی اور ناپسندیدہ مناقشہ ہوا اس سے ایک فائدہ بھی پہونچا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ عوام کی حکومت ایک عظیم خانہ جنگی کے دوران میں بھی قومی انتخاب کا بار گراں برداشت کر سکتی ہے اب تک تو دنیا کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ایسا ہونا بھی ممکنات سے ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہم اب تک کتنے صحیح و سالم ہیں کتنے توانا اور قوی ہیں اس نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ خود ایک ہی جماعت کے امیدواروں میں بھی سب سے زیادہ ووٹ اسی کو حاصل ہو سکتے ہیں جو یونین کا سب سے زیادہ وفادار اور غداری کا سب سے زیادہ مخالف ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اب تک جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق ہمارے پاس اس وقت کے بمقابلے جب جنگ کا آغاز ہوا تھا، اب زیادہ آدمی ہیں۔ سونا اپنی جگہ ایک اچھی چیز ہے لیکن زندہ، بہادر اور وطن پر جان دینے والے انسان سونے سے بھی زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن بغاوت جاری ہے اور اب جبکہ انتخاب ختم ہو چکا ہے کیا یہ نہیں

مناسب ہے کہ ہم سب جو ایک مشترکہ مفاد سے وابستہ ہیں اپنے مشترکہ وطن کو بچانے کے لئے دوبارہ متحد ہو کر مشترکہ جدوجہد میں حصہ لیں۔ اپنی طرف سے تو میں نے ہر طرح سے یہی کوشش کی ہے اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا کہ ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آنے پائے۔ جب سے میں یہاں ہوں میں نے اپنی خوشی سے کبھی کسی شخص کے سینے میں کانٹا نہیں بویا ہے۔

میرے دوبارہ انتخاب پر میری جو اس قدر تحسین و ستائش کی گئی ہے میں اس سے بعد متاثر ہوں اور قادر مطلق باری تعالیٰ کے دربار میں سپاس گذار ہوں کہ اس نے میرے ہموطنوں کو صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے راہ دکھائی جس سے میرے خیال میں خود انہیں لوگوں کا بھلا ہوا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کردوں کہ اگر کسی اور شخص کو اس نتیجے سے مایوسی ہوئی ہو کوئی اذیت پہنچی ہو تو اس سے میرے اطمینان قلب میں کوئی اضافہ نہیں ہوا کیا وہ لوگ جن کو مجھ سے اختلاف نہیں ہے ان جذبات میں میرے شریک ہو سکتے ہیں جو ان لوگوں کے متعلق میرے دل میں ہیں جن کو مجھ سے اختلاف رہا ہے۔

اور اب اپنے بہادر سپاہیوں اور بحری کارگذاروں نیز ان کے جانباز اور بااثر سپہ سالاروں کے لئے دل سے تین مرتبہ نعرہ ہائے تحسین بلند کر کے میں اپنی یہ تقریر ختم کرتا ہوں۔

---

# آزادی کے بارے میں

## ہنگری کی بغاوت

ایک آسٹرین مدبر میٹرنک نے ایک مدت سے ہنگری کے باشندوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اس نے ان کی سیاسی اور مذہبی تحریروں اور تقریروں کے خلاف سنسر بٹھا دیا تھا۔ اس کی جاسوسیوں سے ناک میں دم آگیا تھا اور اس نے تمام انقلابی اور قومی تحریکوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس کے ہاتھوں اس طرح تنگ آکر ہنگری کے باشندوں نے ۱۸۴۸ء میں یک بیک بغاوت کر دی۔ ہنگری کے انقلاب کے خاص

لیڈر کوستھ اور ڈیک تھے۔ انقلابی ہنگری اور آسٹریا کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اپریل ۱۸۴۹ء میں ہنگری کو ایک آزاد جمہوریت قرار دیدیا گیا۔ اس جمہوریت کی صدارت کوستھ کے حصے میں آئی۔ اس کے بعد ہی بہت جلد آسٹریا کی فوجوں کے ساتھ روسی فوجیں بھی درمیان میں آدھمکیں اور ہنگری کی جمہوریت کا قلع قمع ہو گیا۔ اگست ۱۸۴۹ء میں ولاگوس کے مقام پر ہنگری والوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کے بعد ان سے بڑی بے دردی سے انتقام لیا گیا۔ ہنگری کی خود مختاری بھی ختم ہو گئی۔

ہنگری کے انقلابیوں کے لئے امریکہ والوں کے دل میں بڑی ہمدردی پیدا ہو گئی اور اس جذبے کا اظہار کرنے کے لئے شہریوں کے بے شمار جلسے ہوئے۔ ایسا ایک جلسہ ستمبر ۱۸۴۹ء میں اسپرنگ فیلڈ کے مقام پر بھی منعقد ہوا۔ لنکن بھی ان چند شہریوں میں تھے جو ہنگری کے ساتھ اظہار ہمدردی کے سلسلے میں قرار دادیں تیار کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ذیل میں جو دو اقتباسات درج ہیں ان میں پہلا اقتباس انہیں قرار دادوں سے لیا گیا ہے۔ اسپرنگ فیلڈ کے شہریوں کا ایک اور جلسہ جنوری ۱۸۵۲ء میں ہوا تھا۔ اس زمانے میں کوستھ بھی ریاستہائے متحدہ آئے ہوئے تھے۔ اس جلسے میں لنکن نے ایک قرار داد پڑھی جس سے دوسرا اقتباس لیا گیا ہے۔

## ہنگری کے ساتھ ہمدردی

طے پایا کہ حصول آزادی کے لئے اپنی موجودہ شاندار جدوجہد کے سلسلے میں باشندگان ہنگری، ہماری طرف سے زیادہ سے زیادہ تحسین و ستائش کے مستحق ہیں ہمیں ان کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔

طے پایا کہ ان کے لئے ہماری یہی دعا ہے کہ انہیں بہت جلد فتح نصیب ہو اور آخر کار وہ کامیاب ہو کر رہیں۔

طے پایا کہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت کے لئے مناسب ہے کہ ہنگری کو آزاد انسانوں کی قوم مان کر ان کی خود مختاری کو بہت جلد تسلیم کرلے مگر اس طرح کہ جس حکومت کے ساتھ اُن کا جھگڑا چل رہا ہے اس کے اور ہمارے درمیان جو مصالحانہ تعلقات ہیں ان میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

طے پایا کہ اس جلسے کی یہ رائے ہے کہ ہماری حکومت کی طرف سے ہنگری کی آزادی کو فوراً تسلیم کر لینا آزاد امریکہ کے باشندوں پر ری پبلکن آزادی کے مجموعی مفاد کے پیش نظر

واجب ہے۔ اپنے ان بھائیوں کے مفاد کے پیش نظر بھی جو مصروف جد وجہد ہیں اور ری پبلکن جمہوریت کے عمومی مفاد کے پیش نظر بھی، اس اعتراف سے کسی ملک یا قوم کے جائز حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

(قرارداد ۶ ستمبر ۱۸۴۹ء)

## ایک دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی سے گریز

قرار پایا کہ ایسی ہر قوم کو جس کے افراد کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ اسے قومی آزادی حاصل ہو سکے، اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی موجودہ طرز کی حکومت کو اکھاڑ پھینکے۔ اس میں انقلاب برپا کر دے، اور اس کے بجائے ایک ایسے طرز کی حکومت قائم کر دے جو اس کے پسند کی ہو۔

قرار پایا کہ ہماری حکومت کا یہ فرض ہے کہ دوسری حکومتوں میں نہ ایسی انقلابی تحریکوں کو ہوا دے نہ ان کو کسی قسم کی مدد بہونچائے۔

قرار پایا کہ ہمارے لئے نہ تو قانوناً اور نہ ضرورتاً یہ مناسب ہے کہ ہم بیرون ملک کے معاملات میں دخل انداز ہو کر ایسی بغاوتوں کو فرو کرنے میں مدد دیں اور کسی دوسری غیر ملکی حکومت کو ایسا کرنا چاہئے۔ یہ بھی قرار پایا کہ ہم دنیا کے سامنے فوراً اس بات کا اعلان کر دیں کہ ہم نے اس بات پر زور دینے کے لئے تہیہ کر لیا ہے کہ بین الاقوامی قانون کے مقدس اصول کی حیثیت سے حکومتیں ایک دوسرے کے معاملات میں دست انداز نہ ہوا کریں۔

قرار پایا کہ پچھلے دنوں ہنگری کے معاملات میں روس نے جو مداخلت کی تھی وہ ہمارے خیال میں اسی قسم کی غیر قانونی اور ناروا مداخلت تھی۔

قرار پایا کہ اس قسم کی مداخلت میں اگر روس کا مقابلہ کیا جاتا یا ایسے ہی حالات میں کسی دوسری طاقت کا مقابلہ کیا جاتا تو اس سے ہمارے اس اصول عدم مداخلت میں کوئی فرق نہ آتا جسے ہم نے خود ترقی دی ہے، پروان چڑھایا ہے بلکہ اس کے برعکس ایسی حالت میں ہمارا یا کسی دوسری آزاد قوم کا یہ طرز عمل دوامی طور پر مستحسن اور تعریف و توصیف کے قابل ہوتا۔

قرار پایا کہ ہم ہنگری کے گورنر کوستھ کو براعظم یورپ میں شہری اور مذہبی آزادی کے مفاد کا نہایت لائق اور ممتاز نمائندہ سمجھتے ہیں اور یہ وہ مفاد ہے جس کے لئے انھوں نے

اور ان کی قوم نے سر توڑ جدوجہد کی حتیٰ کہ ان کو ایک غیر ملکی مطلق العنان حکمراں کی مسلح مداخلت کے سبب سے مغلوب ہو جانا پڑا جس سے ایک طرف قدرت اور دوسری طرف قوم کے ان مقدس ترین اصولوں کی خلاف ورزی ہوئی جنہیں ہر ملک کے یارانِ آزادی اور خاص طور پر ریاستہائے متحدہ کے باشندے اس قدر عزیز سمجھتے ہیں۔

(قرارداد جنوری ۱۸۵۲ء)

## آزادی کی حفاظت

اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کے متعلق لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اس کو اپنے ہاتھوں کے علاوہ اور کسی دوسرے کے ہاتھوں میں سپرد نہ کریں تو وہ چیز ہے خود ان کی آزادی اور ان کے دستوروں کا تحفظ اور بقائے دوام۔

تقریر بمقام پیوریا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۴ء

## حرّیت کی روح

ستمبر ۱۸۵۸ء میں لنکن نے ایک تقریر بمقام ایڈورڈزویلے واقع الی نوائس میں فرمائی اس تقریر کے صرف کچھ حصّے محفوظ کئے جا سکے ہیں لیکن ان کا ایک حصّہ ایسا ہے جو لنکن کی فصیح البیانی کا بہترین نمونہ ہے۔

"اب جبکہ آپ نے حبشیوں کو درجہ انسانیت سے خارج کر دینے کا سہرا حاصل کر لیا ہے آپ کو اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ نے اس کو کھیت کے چوپاؤں کی طرح رہنے کے سوا کہیں کا نہیں رکھا جب آپ نے ان کی روح کا چراغ بجھا دیا ہے اور ان کو ایسی جگہ لے جا کر ڈال دیا ہے جہاں امید کی کرن اس تاریکی میں گم ہو جاتی ہے جو مردود قسم کے جانداروں کی روح پر چھا جاتی ہے تو کیا آپ کو کامل طور پر اس بات کا یقین ہے کہ جس عفریت کو آپ نے بیدار کیا ہے وہ آپ کو چاروں شانے چت گرا کر آپ کی تکا بوٹی کر کے نہیں رکھ دے گی۔ ہماری حریت اور ہماری آزادی کی پشت و پناہ کیا چیز ہے۔ یہ پشت و پناہ نہ تو ہماری جبیں یہ جبیں قلعہ کی فصلیں ہیں نہ ہمارے غضبناک سمندری ساحل، نہ ہمارے جنگی اسٹیمروں کی توپیں ہیں اور نہ ہماری بہادر منضبط افواج کی طاقت۔ یہ تمام چیزیں ہمارے حسین ملک میں احیائے جبر کی روک تھام کی ضامن نہیں بن سکتیں۔ ہم ان پر

بھروسہ نہیں کر سکتے۔ انہیں ہماری آزادیوں کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں تو بھروسہ صرف اس آزادی کی محبت پر رہے گا جس کی تخم بندی خداوند تعالیٰ نے ہمارے سینوں میں کر دی ہے۔ ہماری پشت و پناہ تو اس اسپرٹ کا تحفظ ہے جو آزادی کو ہر جگہ اور ہر ملک میں ہر شخص کا بیش بہا آبائی ورثہ بناتی ہے آپ اس اسپرٹ کو تباہ کر دیجئے۔ ایسا کر کے آپ خود اپنے دروازوں کے ارد گرد مطلق العنانی کے بیج بو دیں گے۔ آپ اگر غلامی کی زنجیروں سے رابطہ بڑھا رہے ہیں تو ایسا کر کے خود اپنے دست و پا کو ان زنجیروں سے جکڑے جانے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اپنے گرد و پیش رہنے والوں کے حقوق کو پامال کرنے کی عادت کی وجہ سے آپ خود اپنی آزادی کے احترام سے محروم ہو گئے ہیں اور اس کے بعد کوئی بھی چالاک جابر اٹھ کر آپ کو غلام بنا سکتا ہے۔

## فلسفۂ حکومت

لنکن نے فلسفۂ حکومت پر بہت کچھ سوچا بچارا ہے اور خاص طور پر اس صورت میں جس میں اس کا اطلاق امریکی منظر پر ہوتا ہے لنکن نے اس سلسلے میں کچھ خیالات ایک یادداشت میں قلمبند کئے تھے جو خیال کیا جاتا ہے ۱۸۶۰ء میں لکھی گئی تھی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے کسی اچانک واقعہ کا نتیجہ نہیں۔ اس کی ایک وجہ ہے اور وہ وجہ فلسفیانہ ہے۔ یہ نتیجہ آئین اور یونین کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا تھا لیکن یہ آئین اور یہ یونین بھی ہماری عظیم الشان فارغ البالی اور خوشحالی کا اولین باعث نہیں۔ اس کا سبب تو ان دونوں چیزوں کے پس پشت کوئی اور ہی چیز ہے جس نے قلب انسانی کو بہت قریب سے لپیٹ رکھا ہے وہ چیز کیا ہے؟ بس یہی اصول کہ "آزادی سب کو حاصل ہونا چاہئے"۔ یہ وہ اصول ہے جس سے ہر شخص کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے اس سے سب کی امید بندھتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب کو کام کرنے کا حوصلہ میسر آتا ہے۔ سب کو تندہی اور جانفشانی کی مقدرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بڑی مسرت بخش اور خوش قسمتی کی بات تھی کہ ہمارے اعلان آزادی میں اس اصول کا اظہار کر دیا گیا۔ برطانیہ کے خلاف ہم اپنی آزادی کا اعلان تو اس اصول کو قبول کر کے بھی کر سکتے تھے اور اس کے بغیر بھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہم کو اپنی یہ آزاد حکومت

اور اس آزاد حکومت کے ذریعہ یہ خوشحالی نہیں نصیب ہو سکتی تھی۔ محض آقاؤں کی تبدیلی سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اس تبدیلی کے بمقابلہ کسی اور بہتر چیز کے حاصل کرنے کی امید نہیں ہوتی۔ اس وقت تک کوئی مظلوم قوم برسرپیکار نہیں ہو سکتی، طرح طرح کی صعوبات برداشت نہیں کر سکتی جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا تھا۔

اس وقت اس اصول کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا وہ مناسب ہی کہا گیا اور ہمارے حق میں نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ یونین اور آئین یہ دونوں چیزیں تو ایک مرقع سیمیں ہیں جس کے گرد بعد میں چوکھٹا جڑا گیا ہے۔ یہ مرقع اس نعمت غیر مترقبہ کو چھپانے یا برباد کرنے کے لئے نہیں بنایا گیا تھا۔ یہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ لوگ اس کا احترام کریں اس کو حفاظت کے ساتھ رکھیں۔ اصل چیز ہماری آزادی ہے، آئین اور یونین تو اس کے خول ہیں۔

اس لئے ہم کو وہ طرز عمل اختیار کرنا چاہئے جس سے یہ اصل چیز بھی برقرار رہے اور اس کے خول بھی۔ دونوں میں سے کسی کو گزند نہ پہونچے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کہ ہم ایسا کریں ہمیں اس بات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ خطرہ کہاں کہاں سے پیش آسکتا ہے۔

## ایوان آزادی کی تقریر

لنکن کے انتخاب سے دل برداشتہ اور خوف زدہ ہو کر غلام رکھنے والی ریاستوں نے ان کے اسپرنگ فیلڈ سے روانہ ہونیکے پہلے ہی یونین سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس پریشان کن صورت حالات پر انہوں نے اپنے احساسات کا اظہار فلڈیلفیا کے ایوان آزادی میں ایک مختصر سے خطبے کے دوران اس وقت کیا جب وہ اسپرنگ فیلڈ سے واشنگٹن جا رہے تھے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں کئی سال پیشتر اعلان آزادی پر دستخط کئے گئے تھے۔

"اس وقت بڑے عمیق جذبات میرے دل میں امڈ رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میں اس وقت یہاں یعنی اس جگہ کھڑا ہوا ہوں جہاں دانائی، حب الوطنی اور اصول پرستی کا اجتماع ہوا تھا اور اس اجتماع سے ان اداروں کا ظہور ہوا جن کے سایہ میں ہم رہتے ہیں۔ آپ لوگوں نے مجھ سے فرمایا ہے کہ ملک کے موجودہ منتشر حالات میں امن کی بحالی کا کام میں سرانجام دے سکتا ہوں یہ میرے اختیار کی بات ہے۔ اس کے جواب میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے دل میں جس قدر سیاسی جذبات ہیں وہ میں

نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا ہے ان جذبات سے اخذ کئے ہیں جنکی ابتلا اور دنیا بھر میں جن کی اشاعت اس ایوان سے ہوئی تھی۔ میرے دل میں سیاسی طور پر کوئی ایسا احساس پیدا نہیں ہوا جو ان جذبات میں نہیں شامل تھا جن سے اعلان آزادی معمور تھا۔ میں نے اکثر ان خطرات پر غور کیا ہے جو ان حضرات کو پیش آئے تھے جنہوں نے یہاں مجتمع ہو کر اعلان آزادی تیار کیا اور پھر اسے اختیار بھی کیا تھا۔ میں نے ان مشقتوں اور جانکاہیوں پر بھی نگاہ تفحص ڈالی ہے جو فوج کے ان حکام اور سپاہیوں کو برداشت کرنا پڑیں جن کی بدولت آزادی حاصل ہوئی تھی۔ میں بعض مرتبہ خود سے یہ دریافت کرنے لگتا ہوں کہ وہ کیا اصول یا مطمح نظر تھا جس کی بدولت یہ کنفیڈریسی یا متحدہ ریاستوں کی شیرازہ بندی اب تک قائم ہے۔ سوال محض مادر وطن سے نوآبادیوں کی علیحدگی کا نہیں تھا، سوال تو اعلان آزادی کے اس جذبے کا تھا جس نے آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محض اسی ملک کے باشندوں ہی کو نہیں بلکہ مجھے یقین ہے ساری دنیا کو آزادی عطا کی۔ اسی جذبے سے ہم کو یہ توقع ہوئی تھی کہ مناسب وقت پر وہ بار جو تمام انسانوں کے کاندھوں پر لدا ہوا ہے، ہٹ جائے گا۔ یہ ہے وہ جذبہ جو اعلان آزادی کی تہہ میں موجود تھا لیکن اے میرے دوستو کیا اس بنیاد پر قائم رہ کر اب اس ملک کی حفاظت ممکن ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو میں خود کو دنیا کا سب سے زیادہ مسرور انسان سمجھوں گا اگر میں اس کو بچانے میں کچھ مدد دے سکتا ہوں اور اگر یہ ملک اس اصول کی بنیاد پر بچایا نہیں جا سکتا تو واقعی یہ بات بہت خوفناک ہوگی۔ لیکن اگر اس اصول کی قربانی کئے بغیر یہ ملک بچایا نہیں جا سکتا تو میں یہ کہوں گا کہ میرے لئے اس کو مخالفوں کے ہاتھوں میں سپرد کر دینے کے بجائے یہ بہتر ہوگا کہ میں یہیں تہہ تیغ کر دیا جاؤں، میری گردن اڑا دی جائے۔ لیکن اب صورت حال کے متعلق میں نے جو رائے قائم کی ہے اس کے مطابق کوئی خونریزی کوئی جنگ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں تو اس طریقۂ کار کے حق میں نہیں ہوں اور پہلے ہی سے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جب تک حکومت کو زبردستی اس کے لئے مجبور نہ کر دیا جائے گا کسی قسم کی خونریزی نہیں ہوگی اور اگر حکومت کو اس کے لئے زبردستی مجبور کر دیا گیا تو پھر حکومت کو اپنے بچاؤ کے لئے مجبور ہو جانا پڑے گا۔

میرے دوستو میری یہ تقریر شروع سے آخر تک ایک غیر موقع تقریر ہے اور جب

میں یہاں آیا تھا تو اس بات کی توقع بھی نہ تھی کہ مجھے یہاں تقریر کرنے کے لئے کہا جائے گا میرا خیال تھا کہ مجھے جھنڈا اٹھانے کے سلسلے میں کچھ کرنا پڑے گا اسی لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میری زبان سے کوئی ایسی بات تو نہیں نکل گئی جو نا عاقبت اندیشانہ ہو۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہے لیکن میں جس بات پر قائم رہ کر جینا چاہتا ہوں اسی پر قائم رہ کر اگر قادر مطلق خداوند تعالیٰ کو منظور ہو گا میں جان بھی دیدوں گا۔

## رائے اور طرز عمل

اگر ہم کو کبھی اس اصول پر مبنی کوئی حکومت حاصل ہو جس کی پیروی کا ہم دم بھرتے ہیں، تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک ہم اس رائے پر قائم ہیں کہ دوسروں کو بھی اپنی رائے پر چلنے کا حق حاصل ہے تو ہم کو اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ یہ حقوق دوسروں کو بھی دیئے جائیں اور ہمارا طرز عمل ایسا ہونا چاہیے جس سے کسی قسم کی بدمزگی نہ پیدا ہو۔

پنسل وینیا کے وفد کا جواب

۵ مارچ ۱۸۶۱ء

## آزادی کے مسئلے پر غور و خوض

لنکن کو استعارہ اور تشبیہ کے استعمال میں کتنی مہارت حاصل تھی اس کا ثبوت ایک خطبے کے ایک اقتباس سے ملتا ہے جو لنکن نے اپریل ۱۸۶۴ء میں مقام بالٹی مور کے ایک ایسے میلے میں ارشاد فرمایا تھا جس کا تعلق حفظان صحت سے تھا۔

"دنیا کو کبھی لفظ آزادی کی اچھی وضاحت نصیب نہیں ہوئی اور اس زمانے میں امریکہ کے باشندوں کو بھی اس لفظ کی اچھی وضاحت کی بہت ضرورت ہے ہم سب لوگ آزادی کیلئے آواز بلند کرتے ہیں لیکن اگرچہ ہم سب ایک ہی لفظ استعمال کرتے ہیں پھر بھی سب کی نظر میں اس لفظ کا مفہوم یکساں نہیں ہے بعض حضرات اس لفظ آزادی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے اور اپنی محنت کی کمائی استعمال کرنے کا اختیار حاصل ہو لیکن دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی نظر میں اس لفظ کے یہ معنی ہیں کہ چند لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے اور دوسروں کی محنت سے پیدا کی ہوئی چیزوں کو کام

میں للنے کا اختیار حاصل ہو۔ لفظ ایک ہی ہے جسے آزادی کہتے ہیں لیکن اس کی دو تاویلیں ہیں جو ایک دوسرے سے صرف مختلف ہی نہیں ہیں بلکہ دونوں میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو آپس میں میل نہیں کھاتیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسی ایک چیز کو ایک طبقۂ خیال آزادی کہتا ہے اور دوسرا طبقۂ خیال اس کو جبر کہتا ہے۔ چیز ایک ہے۔ اس کے دو مختلف نام ہیں اور دونوں میں کوئی بنائے مماثلت نہیں۔ گڈریا بھیڑ کی گردن پر جھپٹنے والے بھیڑیئے کو مار بھگاتا ہے اور اس کے لئے بھیڑ گڈریئے کو نجات دہندہ کہہ کر اس کا شکریہ ادا کرتی ہے لیکن دوسری طرف بھیڑیا اس کو اسی فعل کے لئے برا بھلا کہہ کر اس کو آزادی کا تباہ کرنیوالا قرار دیتا ہے، خاص طور پر اس لئے کہ بھیڑ کالے رنگ کی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ بھیڑ اور بھیڑیا دونوں لفظ "آزادی" کا ایک مفہوم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور مفہوم کا بالکل یہی فرق آج انسانی مخلوق میں پایا جاتا ہے حتیٰ کہ شمال میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آزادی کا عاشق ہونے کا مدعی ہے ہر شخص کے سر میں آزادی کی محبت کا جنون ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس طریقے سے ہم ہزاروں انسانوں کو روزانہ غلامی کی قید و بند سے آزاد ہوتے دیکھتے ہیں۔ اس کو کوئی آزادی کی پیش قدمی کہہ کر اس کا خیر مقدم کرتا ہے اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو اس طریقے کو ہر قسم کی آزادی کا استیصال سمجھ کر اس کا ماتم کرتے ہیں۔

## دوسروں کو رائے رکھنے کا حق دینا

جن اصولوں کی پیروی کرنے کا ہم دعویٰ کرتے ہیں اگر ان کے مطابق کبھی ہماری حکومت ہو تو ہمیں اپنی رائے کے مطابق عمل کرتے وقت یہ یاد رکھنا اچھا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی رائے کے مطابق کام کرنے کا حق حاصل ہے اور ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ ہم دوسروں کو ان حقوق کے اختیار کرنے کی اجازت دیں اور اس طریقہ سے کام کریں جس سے کسی قسم کی بدظنی نہ پیدا ہو۔

پنسلوینیا کے وفد کا جواب۔ ۵ مارچ ۱۸۶۱ء

---

# مساوات کے بارے میں

## صحیح جمہوریت

صحیح جمہوریت میں کسی کی کھال کا رنگ، جائے ولادت یا اس قسم کی تفصیلات اور حالات کے بارے میں کوئی پوچھ تاچھ نہیں ہوتی۔

ایک تقریر کا اقتباس جو بمقام سن سینٹی کی گئی۔

۶ مئی ۱۸۴۲ء

## جمہوریت کے متعلق مرکزی خیال

جس شخص کا واقعی یہ ایمان ہے اور جس نے یہ طے کر لیا ہے کہ آزاد جماعت نہ کبھی ناکام ہوئی ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوگی اور جو باخبری اور ہوشمندی کے ساتھ یہ اعلان کر سکتا ہے کہ پچھلے حالات میں اس نے وہی سب کچھ کیا ہے جو اسے بہترین معلوم ہوا ایسے شخص کو یہ بھی یقین کرنے کے لئے کشادہ دلی سے کام لینا چاہیئے کہ ہر شخص یہی بات زبان پر لا سکتا ہے اس لئے جو کچھ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ پچھلے اختلافات کا وجود باقی نہیں رہنا چاہیئے اور اصل معاملے پر نظر رکھ کر ہمیں ری پبلک کے بارے میں قابل تعریف قدیم "مرکزی خیالات" کا دوبارہ اعادہ کرنا چاہیئے۔ ہم ایسا کر سکتے ہیں انسانی دل ہمارے ساتھ ہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم آئندہ صرف یہی اعلان نہیں کر سکیں گے کہ تمام ریاستیں ریاستوں کی حیثیت سے برابر ہیں اور نہ صرف یہی کہ تمام شہری بحیثیت شہری یکساں ہیں بلکہ ہم اس سے زیادہ دسیع اور بہتر اعلان کو جس میں یہ دونوں اعلان اور ان سے بھی زیادہ کئی اور اعلان شامل ہیں نئے سرے سے زبان پر لائیں گے کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں۔

اس تقریر کا اقتباس جو بمقام شکاگو ریپبلکن پارٹی کی ایک اعزازی ضیافت میں کی گئی تھی۔

۱۰ دسمبر ۱۸۵۶ء

(نکولے اور ہے کی ہسٹری (تواریخ) صـ۷۵ کے حوالے سے)

## انسانی مساوات

۱۸۵۷ء میں ڈریڈ اسکاٹ کے مشہور زمانہ مقدمے میں ریاستہائے متحدہ کی عدالت عالیہ

کی بہت تھوڑی اکثریت نے ایک نہایت زبردست متنازعہ فیہ فیصلہ صادر کیا جس نے غلامی کے سوال پر بحث و مباحثہ کی بھڑکتی ہوئی آگ کیلئے ایندھن کا کام کیا۔ اس فیصلے سے حبشیوں کے حقوق پر بڑی بیدردی کے ساتھ پابندیاں لگادی گئیں۔ اسی سال کے ماہ جون میں اس موضوع پر ایک تقریر کے دوران لنکن نے سینیٹر ڈگلس کی دلیلوں کا جواب دیتے ہوئے انسانی مساوات کے بارے میں اپنے نظریات کا مزید اظہار فرمایا۔

جج ڈگلس کے خیال میں ... ری پبلکن لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اعلان آزادی کا اطلاق تمام انسانوں پر یکساں طور پر ہوتا ہے خواہ وہ سیاہ فام ہوں خواہ سفید رنگ والے اور ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت جسارت کے ساتھ اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ اعلان آزادی کا اطلاق حبشیوں پر بھی ہوتا ہے پھر وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اعلان آزادی کا اطلاق حبشیوں پر بھی ہوتا ہے وہ محض اس لئے ایسا کہتے ہیں کہ وہ حبشیوں کے حق میں ووٹ دینا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ ہم نوالہ ہونا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ سونا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ گویا وہ یہ مانتے ہیں کہ ان کے قول و عمل میں مطابقت کی اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہیں۔ لیکن اب میں اس جھوٹی منطق کے خلاف آواز بلند کرتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مجھے ایک سیاہ فام عورت اس لئے نہیں درکار ہے کہ میں اسے غلام بناؤں لہٰذا مجھے لازمی طور پر اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اسے اپنی زوجہ بنالوں۔ ممکن ہے مجھے ان دونوں میں کسی بات کے لئے بھی اس کی ضرورت نہ ہو میں اس کو تنہا چھوڑ سکتا ہوں بعض پہلوؤں سے تو واقعی وہ میری ہمسر نہیں ہے لیکن چونکہ اس کو قدرتاً اس روٹی کو کھانے کا حق حاصل ہے جو وہ خود اپنے ہاتھوں سے کسی دوسرے شخص کی اجازت لئے بغیر کماتی ہے لہٰذا وہ میرے برابر ہے اور دوسرے تمام اشخاص کے برابر ہے۔

چیف جسٹس ٹینے نے ڈریڈ اسکاٹ کے مقدمے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ اعلان میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اتنی ہمہ گیر ہے کہ اس میں تمام بنی نوع انسان شامل کئے جا سکتے ہیں لیکن وہ اور جج ڈگلس اس کے ساتھ ہی یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ اس اعلان کے مصنفوں کی یہ نیت نہیں تھی کہ اس کے دائرۂ اطلاق میں حبشیوں کو شامل کیا جائے کیونکہ انہوں نے

فوراً ہی ان کو سفید فاموں کے ساتھ برابری کا درجہ نہیں دیدیا تھا لیکن اس دلیل کا کوئی مطلب نہیں کیونکہ یہ بھی تو حقیقت ہے کہ اس اعلان نے فوراً یا اپنے اجرا کے بعد خود سفید رنگ کے عوام کو بھی ایک دوسرے کے مساوی نہیں بنایا تھا۔ اور چیف جسٹس نیز سینیٹر دونوں کے پاس اعلان کی سادہ اور غیر مبہم زبان پر یہ نمایاں جبر و تشدد کرنے کے لئے یہی ایک اہم دلیل ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس شہرۂ آفاق اعلان کے مصنفوں کی یہ نیت تھی کہ اعلان کے دائرۂ اطلاق میں سب انسان شامل ہیں اگرچہ وہ تمام انسانوں کو ہر لحاظ سے باہم دیگر مساوی قرار دینا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا یہ مفہوم نہیں تھا کہ سب لوگ رنگ، قد و قامت، ذہانت، اخلاقی نشو و نما یا سماجی حیثیت سے برابر برابر ہیں انہوں نے کافی صفائی کے ساتھ اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ کن کن باتوں میں وہ سب ان نظریوں کو پیدائشی طور پر چند ناقابل تنسیخ حقوق کے لحاظ سے مساوی سمجھتے تھے۔ زندگی، آزادی اور حصول مسرت، یہی انہوں نے کہا تھا اور یہی تھا منشا ان کے کہنے کا۔ ان کی نیت یہ نہیں تھی کہ وہ اپنی زبان پر یہ نمایاں طور پر جھوٹی بات لائیں کہ اس وقت سب لوگوں کو مساوات واقعتہً حاصل بھی تھی۔ نہ ان کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ وہ یہ مساوات ان لوگوں کو فوراً دینے والے تھے۔ حقیقت میں ان کو اس نعمت کے دینے کا اختیار ہی نہیں تھا وہ تو صرف اس حق کا اعلان کر دینا چاہتے تھے تاکہ حالات جس قدر جلد ایسا کرنے کی اجازت دیں اس حق کا نفاذ ہو جائے۔ وہ ایک آزاد جماعت کے لئے ایک ایسا معیاری اصول رکھنا چاہتے تھے جس سے سب یکساں طور پر واقف ہوں اور جس کا سب احترام کریں اور جس سے مسلسل امداد کی توقع ہو اور جس کے لئے مسلسل جانفشانی کی جائے اور چاہے مکمل طور سے اس اصول پر عمل نہ کیا جا سکے تاہم مسلسل اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا رہے اور اس طرح برابر اس کا اثر پھیلتا اور گہرا ہوتا رہے اور ہر جگہ اور ہر رنگ والی قوم کے لئے زندگی کی مسرت اور قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس بات کے اعلان سے کہ سب انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ سے ہماری علٰحدگی کے سلسلے میں کوئی عملی مدد نہیں ملی اور اعلان میں اس کا ذکر اس علٰحدگی کے سلسلے میں نہیں بلکہ آئندہ استعمال کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کے مصنف سمجھتے تھے کہ یہ اعلان آگے چل کر ان لوگوں کے حق میں سدِ راہ ثابت ہوگا جو ایک آزاد قوم کو مطلق العنانی کے نفرت انگیز راستے کی طرف موڑنے کی کوشش کریں گے اور شکر ہے خداوند تعالیٰ

کا کہ اب واقعی یہ خیال ان لوگوں کے حق میں سدراہ ثابت ہو رہا ہے۔

## آزادی کی روشنی

اس لئے ہمیں اس پر قائم رہنا چاہئے اس کی حمایت میں مضبوطی سے قدم جمائے رہنا چاہئے اس لئے ہم کو اس شخص یا اس شخص کے بارے میں اور اس نسل یا اس نسل کے متعلق ہر قسم کی لفظی بحث سے گریز کرنا چاہئے۔ یہ بات ہی کیا ہوئی کہ چونکہ فلاں قوم درجہ میں پست ہے اس لئے اس کو پست اور حقیر درجہ ہی دیا جائے۔ اگر ہمارا معیار یہی رہ گیا ہو تو ہمیں اسے دور سے سلام کرنا چاہئے، ہمیں ان سب باتوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ اس تمام خطۂ زمین میں سب کو ایک قوم کی حیثیت سے متحد ہو جانا چاہئے حتیٰ کہ ہم پھر ایک بار کھڑے ہو کر اس بات کا اعلان کریں کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں۔ میں آپ لوگوں سے اس امید کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں کہ آزادی کا چراغ آپ کے سینوں میں اس وقت تک جلتا رہے گا جب تک اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے گی کہ سب انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں۔

شکاگو کے مقام پر کی گئی ایک تقریر کا اقتباس (۱۰ رجولائی ۱۸۵۸ء)

کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد سوئم ص ۴۹

## راستی، انصاف اور رحم

ان لوگوں نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ قدیم ایوان آزادی میں تمام نسل انسانی کو یہ پیغام دیا تھا: ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ حقیقتیں اپنا ثبوت خود آپ ہی ہیں کہ سب انسان پیدائشی طور پر مساوی ہوتے ہیں کہ ان کو ان کے خالق نے چند ناقابل تنسیخ حقوق ودیعت فرمائے ہیں اور ان حقوق میں شمار ہے زندگی کا، آزادی کا اور تلاش مسرت کا" عالمی اقتصادیات کا انہوں نے یہی شاندار مفہوم سمجھا تھا۔ خالق اعظم اپنی مخلوق کے ساتھ جو انصاف روا رکھتا ہے اس کو سمجھنے میں انہوں نے اتنی بلند نظری اتنی دانشمندی اور اتنی شریفانہ فہم ماورائی سے کام لیا تھا۔ ہاں وہ انصاف جو اس نے اپنی تمام مخلوق، تمام بنی نوع انسان کے ساتھ روا رکھا ہے وہ لوگ روشن خیال تھے اور سمجھتے تھے کہ کوئی بھی ایسی چیز جس پر ربانی عکس ومشابہت کی مہر لگی ہوئی ہے دنیا میں اس

لئے نہیں بھیجی گئی ہے کہ اس کے پیروا سے اپنے پاؤں سے روندیں اس کو ذلیل کریں اور اس کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک روا رکھیں۔ ان کے ذہن میں صرف وہی تمام نسل انسانی نہیں تھی جو اس وقت زندہ تھی ان کی نظر تو بہت دور رس تھی اور مدتوں بعد پیدا ہونیوالی نسلوں تک پہونچ چکی تھی۔ انہوں نے روشنی کا ایک مینار تعمیر کیا تھا تاکہ اس سے ان کی اولاد کا، ان کی اولاد کی اولاد کا اور ان بیشمار انسانوں کا راستہ روشن ہو جو آئندہ ادوار میں سطح ارض پر نمودار ہوں۔ وہ لوگ دوراندیش مدبر تھے ان کو معلوم تھا کہ جب فارغ البالی کا زمانہ آتا ہے تو ظالم اور جابر قسم کے انسان پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے ان حقیقتوں کو مسلمہ قرار دیا جو از خود ظاہر ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب دور دراز مستقبل میں کوئی شخص کوئی جماعت اور کچھ خود غرض اشخاص یہ اصول قائم کریں گے کہ دولتمند اور سفید رنگ والی قوموں یا پھر اینگلوسیکسن نسل سے تعلق رکھنے والے سفید فام انسانوں کے علاوہ اور کسی کو بھی زندگی، آزادی نیز حصول مسرت کا حق نہیں حاصل ہوگا تو ان کی اولاد شاید پھر اعلان آزادی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے گی اور پھر اسی جنگ کو از سر نو جاری کرنے کی جرأت کرے گی جو اس کے بزرگوں نے اس لئے شروع کی تھی کہ سچائی، انصاف، رحم اور تمام انسانی نیز مسیحی خوبیوں کا چراغ ملک میں بجھنے نہ پائے تاکہ کوئی انسان پھر اٹھ کر ان عظیم الشان اصولوں کو محدود و محصور نہ کر دے جن کی بنیاد پر آزادی کا مندر تیار کیا جا رہا ہے۔

اس تقریر سے ماخوذ جو بمقام بورڈس ٹاون الی نوائس کی گئی۔ ۱۲ اگست ۱۸۵۸ء

ہرنڈن۔ صفحہ ۳۳۹۔

---

# مذہب کے بارے میں

## مذہبی خیالات

۱۸۴۶ء میں جب لنکن ریاستہائے متحدہ کی کانگرس کے لئے امیدوار تھے جس میں بعدہ وہ منتخب ہو کر آگئے تو انہوں نے اپنے خلاف اس الزام کی تردید ضروری سمجھی کہ وہ مذہب کی تضحیک و تحقیر کرتے تھے۔

# ساتویں کانگریسی ضلع کے ووٹروں کے نام

میرے ہم وطنو!

اس ضلع کے گردونواح میں میرے خلاف ایک الزام لگایا جارہا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں عیسائیت کی کھلم کھلا تحقیر و تضحیک کرتا ہوں۔ کچھ دوستوں کے مشورے سے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اس موضوع پر اس رخ سے نظر ڈالوں۔ یہ بات تو بالکل درست ہے کہ میں کسی عیسائی چرچ کا ممبر نہیں ہوں لیکن میں نے کبھی مقدس صحیفوں کی سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا ہے اور میں نے کبھی کوئی ایسی تقریر نہیں کی ہے جس میں قصداً مذہب کی عام طور پر یا عیسائی مذہب کے خاص فرقے کی تحقیر و تضحیک کا پہلو پیدا ہوتا ہو۔ یہ صحیح ہے کہ زندگی کے ابتدائی زمانے میں میری طبیعت کا رجحان اس اصول کی پیروی کی طرف تھا جسے میں اپنی سمجھ کے مطابق "اصول احتیاج" کہتا ہوں یعنی یہ کہ انسانی دماغ کو کوئی ایسی طاقت عمل پر آمادہ کرتی ہے یا اس کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے کا موقع دیتی ہے جس پر اس کا یعنی دماغ کا کوئی قابو نہیں ہے اور میں نے (ایک، دو یا تین اشخاص کے ساتھ گفتگو کے دوران مگر کبھی عوام الناس کے سامنے نہیں) مباحثے میں اس خیال کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اب میں بحث و مباحثہ کی عادت کو خیرباد کہہ چکا ہوں اور اسے خیرباد کہے ہوئے بھی پانچ سال سے زیادہ ہوگئے۔ ساتھ ہی ساتھ میں ایک بات اور کہہ دوں۔ میرا خیال ہے کہ جو رائے میں نے قائم کی تھی وہی رائے کئی عیسائی فرقوں کی بھی ہے۔ حقیقت بھی اتنی ہی ہے جس کا اظہار میں اپنے سلسلے میں ابھی مختصر الفاظ میں کرچکا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں خود بھی کسی ایسے شخص کو کوئی عہدہ دیئے جانے کی تائید نہیں کرسکتا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ علانیہ مذہب کا دشمن ہے اور مذہب کی تضحیک کرتا ہے۔ اس شخص کی آخرت کیسے بنے گی، اس بات کا فیصلہ تو میں اس کے اور اس کے پیدا کرنے والے پر چھوڑتا ہوں مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی شخص کو بھی یہ حق کیوں حاصل ہو کہ وہ اس جماعت کے احساسات کی توہین کرے اور اس کے اخلاق کو صدمہ پہنچائے جس میں اسے رہنا سہنا ہو۔ اس لئے اگر میں کسی ایسے طرز عمل کا مجرم ہوں تو میں اس شخص

کو مورد الزام نہیں ٹھہراؤں گا جو اس سلسلے میں برا بھلا کہے لیکن میں ان لوگوں کو ضرور قصوروار ٹھہراتا ہوں خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہوں جنہوں نے میرے خلاف ایک جھوٹا الزام لگا کر اس کی تشہیر کی ہے۔

اے لنکن ——— ۳۱ر جولائی ۱۸۴۶ء

## دینیات، غلامی کی حمایت میں

۱۸۵۸ء میں لنکن غلامی کے مسئلے پر بہت گہرے غور و خوض میں مبتلا تھے۔ اس کا ثبوت ان کی ایک اور تحریر سے ملتا ہے جس کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اس سال کے ماہ ستمبر میں لکھی گئی تھی۔

"مان لیجئے یہ صحیح ہے کہ خدا کی وہ(ین) کے معاملے میں ایک حبشی ایک گورے رنگ والے انسان کے بمقابلہ کم حیثیت رکھتا ہے لیکن کیا یہ صریحاً بے انصافی نہیں ہے کہ حبشی کو جو کچھ تھوڑا بہت میسر ہوا ہے، گوری رنگت والا انسان محض حیثیت کے اسی فرق کے باعث اس میں سے کچھ حصہ ہڑپ کر لے۔ خیرات کے بارے میں عیسائیت کا اصول یہ ہے" اس کو دو جو حاجت مند ہو" لیکن غلامی کا قاعدہ اس کے برعکس یہ ہے کہ" اس سے لو جو حاجتمند ہو"۔

غلامی کی حمایت کرنیوالی دینیات کا خلاصہ یہ ہے کہ غلامی ہر جگہ کے لئے درست چیز ہے اور نہ ہر جگہ کے لئے غلط چیز ہے۔ بعض لوگوں کے حق میں غلام ہونا ہی اچھا ہوتا ہے اور ایسی حالتوں میں خدا ہی کی یہ مرضی ہوتی ہے کہ وہ غلام ہوں۔ فی الواقع خدا کی مرضی کے خلاف کسی قسم کی لب کشائی نہیں کی جا سکتی پھر بھی اس کی مرضی کو سمجھنے اور اس کو خاص خاص حالتوں میں استعمال کرنے کا سوال کچھ مشکلیں پیدا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم فرض کر لیں کہ ریورینڈ ڈاکٹر راس کے پاس ایک غلام ہے جس کا نام سیمبو ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے؟ سیمبو غلام رہے یا اسے آزاد کر دیا جائے؟ قادر مطلق کی طرف سے اس سوال کا جو جواب ملتا ہے وہ تو ہماری قوت شنید سے باہر ہے اور اس کے ارشاد الہامی یعنی انجیل مقدس سے بھی اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ جواب ملتا ہے تو اس کے معنی و مفہوم کے اخذ کرنے میں جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو پھر بالآخر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر راس خود اس مسئلے کو طے کریں اور جب ڈاکٹر راس اس پر غور کرتے ہیں تو اس وقت وہ اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھائے ہوئے سائبان میں

بیٹھے ہوتے ہیں اور ان کا گزارا اس روٹی پر ہوتا ہے جو سیمبو جلتی ہوئی کڑکڑاتی دھوپ میں کماتا ہے اگر وہ یہ فیصلہ کر لیں کہ خدا کی یہی مرضی ہے کہ سیمبو غلام بنا رہے تو اس سے ان کی آرام دہ پوزیشن قائم رہتی ہے لیکن اگر اس کے برخلاف ان کا فیصلہ یہ ہو کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ سیمبو کو غلامی سے نجات حاصل ہونا چاہیئے تو اُن کو اپنے سائبان سے اٹھ کر باہر آنا ہوگا اپنے دستانے اتار پھینکنے ہوں گے اور اپنی روٹی کے لئے خود پھاوڑا چلانا ہوگا زمین کھودنا ہوگی۔ کیا ڈاکٹر راس کے دل میں غیر جانبداری سے کام لینے کا جذبہ اٹھے گا جو ہمیشہ صحیح فیصلوں کے صادر کرنے میں نہایت درجہ مفید مطلب سمجھا گیا ہے۔

لیکن غلامی کچھ لوگوں کے حق میں اچھی چیز ہوتی ہے۔ اگر غلامی اچھی چیز ہوتی ہے تو اس لحاظ سے یہ نہایت عجیب و غریب بات ہے کہ یہی وہ صرف اچھی چیز ہے جس کی اچھائی کی تلاش میں اپنے لئے کوئی سرگرداں نہیں ہوتا۔

کتنی لغو اور بیہودہ بات ہے بھیڑیئے میمنوں کو کھا جائیں اس لئے نہیں کہ اس سے خود ان کے حریص معدوں کی سیری ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ ایسا کرنا میمنوں کے حق میں مفید ہے۔ یہ بھی کیا خوب دلیل ہے۔

## اسپرنگ فیلڈ کا الوداعی خطبہ

فروری ۱۸۶۱ء میں لنکن واشنگٹن میں عہدہ صدارت کا بار قبول کرنے کے لئے اپنے وطن اسپرنگ فیلڈ واقع الی نوائس سے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو مخاطب کر کے جو مختصر الوداعی خطبہ ارشاد فرمایا اس کا لہجہ ہمیں اس حالت میں بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے جب ہم اسے بعد میں پیش آنیوالے واقعات یعنی اولاً خانہ جنگی اور بعدہٗ لنکن کے قتل کو مدنظر رکھ کر پڑھتے ہیں۔

"میرے دوستو!

کوئی شخص بھی اور خاص طور پر ایسا شخص جو میری حالت میں نہیں ہے رنج اور مایوسی کے اس جذبے کا اندازہ نہیں کر سکتا جو میرے دل میں اس جدائی کے موقع پر اٹھ رہا ہے۔ مجھے جو کچھ بھی شرف حاصل ہوا ہے وہ محض اس مقام اور اس مقام کے باشندوں کی کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہے۔ میں نے یہاں چوتھائی صدی کی مدت گذاری ہے اور میں یہیں بڑھ کر جوان سے بوڑھا ہوا ہوں یہیں میرے بچے پیدا ہوئے اور ان میں سے ایک تو یہیں دفن بھی ہے اب میں یہاں سے جا رہا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ اب مجھے پھر کبھی یہاں واپس آنا نصیب ہوگا یا نہیں اور ہوگا تو کب؟

میرے سامنے ایک کام ہے اور وہ کام اس کام سے کہیں زیادہ بڑا ہے جس کا بار واشنگٹن کے شانوں پر تھا۔ اس ذات ربانی کی مدد کے بغیر جو ہمیشہ واشنگٹن کے آڑے آتی رہی مجھے کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی اگر اس کی امداد حاصل ہوتی رہی تو مجھے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا اس کی ذات پر بھروسہ کرکے جو میرے ساتھ جا سکتا ہے اور آپ کے ساتھ رہ سکتا ہے اور جو ہمیشہ ہر جگہ موجود رہتا ہے ہمیں اعتماد کے ساتھ یہ امید کرنا چاہیئے کہ جو کچھ بھی ہوگا وہ اچھا ہی ہوگا۔ میں آپ سب کو اس باری تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ بھی اپنی دعاؤں میں مجھے اس کے سپرد کریں گے۔ میں آپ کو جذبہ محبت سے بھرپور الوداع کہتا ہوں۔

## یوم دعا کا اعلان

جونہیں خانہ جنگی کی المناک حقیقتوں کو ملک نے محسوس کرنا شروع کیا لنکن نے قومی روزہ داری اور دعا کے لئے ایک دن مقرر کرنے کا اعلان کر دیا۔

از جانب صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ

## اعلان

ہر گاہ کہ کانگریس کے دونوں ایوانوں کی ایک مشترکہ کمیٹی نے صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کیا اور ان کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ وہ ایک روز اظہار عجز و نیاز، دعا اور روزے کا اس لئے مقرر کریں کہ باشندگان ریاستہائے متحدہ اپنے مذہبی ضابطوں کے ساتھ منائیں اور خدائے عزوجل کی بارگاہ میں نہایت عجز و الحاح کے ساتھ ان ریاستوں کی سلامتی اور بہبودی کے لئے دعا کریں تاکہ اس کی برکات ان کے ہتھیاروں پر نازل ہوں اور جلد از جلد دوبارہ امن قائم ہو جائے۔

اور ہر گاہ کہ تمام قوموں کے لئے اور تمام زمانوں میں یہ مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی بلند ترین حکومت کو تسلیم اور اس کا ہر طرح سے احترام کریں اور جو کچھ سزا دہ جلال کو وہ دے اس کے سامنے عاجزی و نیاز مندی سے سر جھکائیں اور اس حقیقت میں مکمل اعتماد کرکے اپنے گناہوں اور دوسری نافرمانیوں پر تاسف اور ندامت کا اظہار کریں اور اس یقین و ایمان کے ساتھ کہ اس آقائے کل سے خوف کھانا ہی دانائی کا آغاز ہے۔ اس کے دربار میں نہایت

دلسوزی اور پشیمانی کے ساتھ یہ دعا کریں کہ وہ ان کے گذشتہ گناہوں کو معاف کر دے اور موجودہ اور آئندہ عمل پر فضل و رحمت کی نگاہ رکھے۔

اور ہر گاہ کہ جب ہمارا محبوب ملک جو کبھی خدا کے فضل و کرم سے متحدہ، خوشحال اور مسرور تھا اب باہمی خلفشار اور خانہ جنگی میں گرفتار ہے۔ ہمارے لئے یہ خاص طور پر مناسب ہے کہ اس ہولناک مصیبت میں یہ سمجھیں کہ اس کی تہہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور بحیثیت ایک قوم اور ایک فرد واحد کے اپنے قصوروں اور اپنے جرموں کو درد و الم کے ساتھ یاد کر کے اس کے سامنے سر بسجدہ ہوں اور اس کے رحم و کرم کے لئے دعا کریں کہ اب ہم کو اپنی خطاؤں کی مزید پاداش نہ ملے حالانکہ ہم انصافاً اسی کے مستحق ہیں۔ یہ دعا کریں کہ ہمارے ہتھیاروں پر اس کی رحمت نازل ہو اور ہم ان کی مدد سے اپنے وسیع ملک میں دوبارہ قانون، نظم و ضبط اور امن قائم کر سکیں نیز ہو کہ شہری اور مذہبی آزادی کی بیش بہا نعمت جو اس کی رہنمائی اور اس کی برکات کے سائے میں ہمارے بزرگوں نے نہایت جانفشانی کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اٹھا کر حاصل کی تھی اپنی اصلی عظمت کے ساتھ دوبارہ حاصل ہو جائے۔

لہذا میں ابراہم لنکن صدر ریاستہائے متحدہ آئندہ دسمبر کی آخری جمعرات کو قوم کے تمام افراد کے لئے دعا و نیاز اور روزے کا دن مقرر کرتا ہوں اور تمام باشندوں سے اور خاص طور پر ہر درجے کے مذہبی راہبوں اور واعظوں نیز تمام خاندانوں کے بزرگوں سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے عقیدے اور طریق عبادت کے مطابق اس روز کو نہایت نیازمندی اور مذہبی تقدس کے ساتھ اس غرض سے منائیں کہ تمام قوم کی متحدہ دعا کو اس کے سریر رحمت تک رسائی کا شرف حاصل ہو اور اس کے ذریعہ ہمارے ملک پر اس کی رحمتیں بافراط نازل ہوں۔

اور اس کی تصدیق میں اگست بعد مسیح ۱۸۶۱ء کے بارھویں دن اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آزادی کے ۸۶ ویں سال میں یہ اعلان قلم بند کرتا ہوں اور اس پر ریاستہائے متحدہ کی مہر ثبت کرتا ہوں۔

ابراہم لنکن۔

## رضائے خداوندی

وہائٹ ہاؤس میں رہ کر بھی لنکن کو اپنے ذاتی مراقبہ و استغراق پر اپنے خیالات تحریر کرنے کا

موقع مل جاتا تھا۔ لڑائی جاری تھی اور یکے بعد دیگرے شکست ہو رہی تھی اور یہی وہ زمانہ تھا جب ستمبر ۱۸۶۲ء میں انہوں نے کچھ خیالات رضائے خداوندی کے موضوع پر سپرد کاغذ کئے۔

"رضائے خداوندی ہی ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ بڑے بڑے مقابلوں میں دونوں جانبوں کی طرف سے رضائے خداوندی کے مطابق عمل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ یا تو جانبین غلطی پر ہو سکتے ہیں یا دونوں میں سے کوئی ایک جانب غلط کار ہو سکتی ہے۔ خدا بیک وقت ایک ہی چیز کا حامی اور مخالف نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ موجودہ خانہ جنگی میں خدا کا مقصد کچھ اور ہی ہو وہ مقصد نہ ہو جو جانبین کے پیش نظر ہے اور پھر انسان ہی وہ آلہ کار ہے جو اس کے مقصد کی تکمیل کے لئے بہترین طور پر موزوں ہو سکتا ہے خواہ وہ کسی ڈھب سے بھی عمل پیرا کیوں نہ ہو میں یہ بات کہنے کے لئے بالکل تیار ہوں کہ غالباً جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ٹھیک ہی ہے یعنی یہ کہ یہ جنگ خدا کی مرضی سے ہو رہی ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ یہ ابھی ختم ہو۔ اس جنگ میں جو دو حریف برسر پیکار ہیں ان کے دماغوں پر اس ذات ربانی کو جو اختیار عظیم حاصل ہے اس سے کام لیکر اس نے انسانی مجادلہ آرائی کے بغیر ہی یا تو یونین کو بچا لیا ہوتا یا تباہ و برباد کر دیا ہوتا۔ اس کے باوجود جنگ شروع ہو کر رہی اور جب جنگ شروع ہی ہو گئی ہے تو کسی نہ کسی روز وہ دونوں میں سے کسی ایک جانب کو کلیتہً مظفر و منصور کر ہی دے گی۔ دونوں میں سے کسی کی قطعی جیت ضرور ہو گی اس کے باوجود یہ جنگ جاری ہے۔

## یوم سپاس گزاری کا اعلان

جنگ کے آلام و مصائب کے درمیان لنکن نے قوم کو ان برکات کے سلسلے میں جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے اب تک عطا ہو رہی تھیں شکر و سپاس ادا کرنے کے لئے ایک دن مختص کرنے کی غرض سے دعوت دی۔ اس سے ایک ایسی نظیر قائم ہو گئی جس کے مطابق ریاستہائے متحدہ میں یوم سپاس گزاری ایک سالانہ قومی تعطیل قرار دیدیا گیا ہے۔

از جانب صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔

### اعلان

سال ختم ہو رہا ہے، ہر طرف ہرے بھرے کھیت لہلہا رہے ہیں، فضائے آسمانی

صحت اور تندرستی سے مملو ہے۔ ان برکات سے مسلسل مستفید ہونے میں ہم اس قدر محو و مستغرق ہیں کہ بسا اوقات ہم اس سرچشمے ہی کو فراموش کر بیٹھتے ہیں جہاں سے ان برکات کا نزول ہوا ہے اور بھی گوناگوں برکات کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ برکات ایک غیر معمولی نوعیت کی ہیں اور ایک ایسے دل کے اندر بھی جگہ کئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور اس کو نرم و ملائم بنا دیتی ہیں جو باری تعالیٰ کی دائم نگراں ہستی کی طرف سے عاقبتاً بے خبر رہتا ہے ایک ایسی خانہ جنگی کے دوران میں جو اپنی وسعت اور شدت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتی اور جس کی وجہ سے بسا اوقات دوسرے ملکوں کو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دعوت دی جا رہی ہے تاکہ ان میں بھی حملہ آوری کا خیال پیدا ہو جائے۔ امن کی حفاظت کی گئی ہے نظم و ضبط برقرار رکھا گیا ہے۔ قوانین کا احترام کیا گیا ہے ان کی پابندی کی گئی ہے اور میدان جنگ کے علاوہ باقی ہر جگہ اتفاق و اتحاد کا غلبہ ہے جس کے طفیل یونین کی بڑھتی ہوئی بڑی اور بحری فوجوں نے میدان جنگ کو بہت بڑی حد تک تنگ رکوتاہ بنا دیا ہے۔ دولت اور طاقت یہ دونوں چیزیں پُرامن صنعتوں کے بجائے ضرورتاً قومی تحفظ پر صرف ہو رہی ہیں مگر ان سے نہ ہل رکا ہے نہ کرگھا اور نہ جہاز کا کام بند ہوا ہے۔ کلھاڑی نے ہماری آبادیوں کی سرحدوں میں اضافہ کر دیا ہے اور لوہے کوئلے نیز دوسری دھاتوں کی کانوں کی پیداوار پیشتر کے بمقابلہ کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس اتلاف جان کے باوجود جو کیمپوں میں محاصروں میں اور میدان جنگ میں ہوا ہے آبادی کافی بڑھ گئی ہے۔ ملک اپنی بڑھتی ہوئی طاقت اور توانائی کے خیال سے محظوظ و مسرور ہو رہا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جتنے جتنے زیادہ سال گذرتے جائیں گے اتنی ہی آزادی حاصل ہوتی جائے گی۔ یہ عظیم الشان کارنامے نہ تو انسانی شعور سے وجود میں آئے ہیں نہ کسی فانی ہاتھ نے ان کی تخلیق کی ہے یہ سب برکتیں اس بلند و برتر خداوند تعالیٰ کے الطاف کریمانہ سے حاصل ہوئی ہیں جس نے جہاں ایک طرف ہمارے گناہوں کی پاداش میں اپنا قہر و غضب نازل کیا ہے وہاں دوسری طرف رحم و کرم سے بھی کام لیا ہے اس لئے میرے خیال میں یہ نہایت درجہ مناسب و موزوں ہے کہ تمام باشندگان امریکہ ایک دل اور ایک آواز سے اس ذات مطلق کی عطا کردہ نعمتوں کا اعتراف نہایت پاکیزگی احترام اور جذبۂ تشکر کے ساتھ کریں۔ اس لئے میں ریاستہائے متحدہ کے ہر حصے کے ہموطنوں کو اور ان لوگوں کو جو سمندر میں کام کر رہے ہیں اور دوسرے ملکوں میں سیر و سفر کا لطف اٹھا رہے

ہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئندہ نومبر کی آخری جمعرات کو آسمان پر رہنے والے اپنے نعیم باپ کی بارگاہ میں شکر و سپاس بجا لائیں اور اس کی حمد و ثنا کے لئے خود کو وقف کر دیں اور میں ان سے سفارش کرتا ہوں کہ جب وہ ذات باری تعالیٰ کی ان نوازشوں اور برکتوں کے پیش نظر ہدیۂ حمد و ثنا پیش کریں جو اس کو ہر انج سے واجب ہے تو نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ان بدعنوانیوں اور نافرمانیوں کے لئے دست بستہ معافی مانگیں جن کی تمام قوم مرتکب ہوتی ہے اور جس مذموم خانہ جنگی میں ہمیں مبتلا ہونا پڑا ہے اس میں ان عورتوں کو جو بیوہ ہو گئی ہیں، ان بچوں کو جو یتیم بن گئے ہیں اور تمام ماتم گساروں اور مصیبت زدوں کو اس کے آغوش عاطفت میں سپرد کر دیں اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی بارگاہ عالیہ میں التجا کریں کہ وہ اپنے قادر کل دست ربانی سے قوم کے زخموں کا اندمال فرمائے اور جلد از جلد اس کو اپنی رضائے ایزدی کے مطابق پورے طور پر مکمل سکون، امن اور ہم آہنگی کی بحالی عطا کرے۔

اس کی تصدیق میں میں یہ اعلان قلم بند کرتا ہوں اور اس پر ریاستہائے متحدہ کی مہر ثبت کرتا ہوں شہر واشنگٹن میں ۳ اکتوبر ۱۸۶۳ء اور ریاستہائے متحدہ کی آزادی کے اٹھاسیویں سال میں مرقوم ہوا۔

ابراہم لنکن

## خدا راستہ دکھاتا ہے

اپنے دوست کے نام ایک چٹھی میں جو ستمبر ۱۸۶۴ء میں لکھی گئی تھی لنکن نے اپنے اس مسلک کا اظہار کیا ہے جس نے جنگ کی صبر آزما مصیبت میں انہیں سنبھالے رکھا تھا۔

ایگزیکیو ٹو منیشن

واشنگٹن ۴ ستمبر ۱۸۶۴ء

میرے محترم دوست ایلزا پی گرنی!

میں اس دل نشیں موقع کو آج تک نہیں بھولا ہوں اور نہ غالباً کبھی بھولوں گا جب آپ نے اور چند دوسرے دوستوں نے دو برس ہوئے ایک اتوار کی سہ پہر کو مجھ سے ملاقات کی تھی۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد آپ نے مجھ کو جو تلطف آمیز خط لکھا میں اسے بھی کبھی نہیں بھولا مجموعی طور پر آپ کا مقصد صرف یہی رہا ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات میں مجھے جو اعتقاد ہے وہ اور بھی قوی

ہو جائے۔ میں ملک کے ان نیک باشندوں کا نہایت ممنون ہوں جو عیسائیت کے علمبردار ہیں جنہوں نے دن رات مسلسل دعائیں کی ہیں اور تشفی و تسلی کے کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور میں ان لوگوں میں سے کسی کا بھی اتنا ممنون نہیں ہوں جتنا آپ کا ممنون ہوں۔ قادر مطلق کی جو بھی مرضی ہوتی ہے مکمل ہوتی ہے اور اسی کی مرضی ہو کر رہتی ہے خواہ ہم غلط کار فانی انسانوں کو اس کی مرضی کا صحیح صحیح علم پہلے سے نہ بھی ہو۔ ہمیں امید تھی کہ یہ ہولناک جنگ اب سے کہیں پیشتر خوشگوار طور پر ختم ہو جائے گی مگر خدا بہتر جانتا ہے اور اس کی مرضی کچھ اور ہی تھی پھر بھی اس معاملے میں ہم کو اس کی دانائی اور خود اپنی غلطی تسلیم کرنا ہو گی مگر جدید اتنا ہم کو اس بہترین روشنی میں جو وہ ہمیں عطا کرے سچی لگن سے کام کرنا چاہئے اور اس یقین کے ساتھ کہ ایسا کرنے سے ہمارے وہ عظیم مقاصد پورے ہوں گے جن کا اس کی طرف سے حکم ہو گا یقینی طور پر وہ چاہتا ہے کہ اس عظیم ہلچل کے بعد کوئی بہت بڑے فائدے کی بات ہو جس کا پیدا کرنا کسی فانی انسان کے بس کی بات تھی اور نہ جس کو کوئی فانی انسان روک سکتا تھا۔

ہمارے اہل قوم کو دوستوں کو بڑی سخت آزمائش سے سابقہ پڑا ہے اور اب تک پڑ رہا ہے۔ اصول اور ایمان ہے جنگ اور ظلم و تعدی کی ضد میں اور یہی اصول اور ایمان عملی طور پر اس ظلم و تعدی کا مقابلہ جنگ کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ اس جانکاہ کشمکش میں بعض لوگوں نے ایک چیز کا سہارا لینا پسند کیا ہے اور بعضوں نے دوسری کا۔ جن لوگوں نے اصول پرستی کے خیال سے مجھ سے اپیل کی ہے ان کے لئے اپنے ضمیر کے مطابق اور اس حلف کو مد نظر رکھ کر جو میں نے قانون کے سامنے اٹھایا ہے میں جو کچھ حتی الامکان کر سکتا تھا وہ میں نے کیا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے آپ اسے مانتے ہیں اور چونکہ آپ اس میں یقین رکھتے ہیں اس لئے آپ ہمارے ملک کے لئے اور خود میرے لئے جو صدقہ دلانہ دعائیں آسمانی باپ کے دربار میں کریں گے وہ مجھے موصول ہوں گی۔

آپ کا مخلص دوست ——— اے لنکن۔

## ایک ماں کے نام خط

ابراہم لنکن نے ان غمزدہ ماؤں کے نام جو اپنے ان فرزندوں سے محروم ہو گئی تھیں

جنھوں نے جمہوریت کے تحفظ میں اپنی جانیں قربان کی تھیں کئی ہمدردانہ اور تعزیتی خطوط تحریر کئے تھے ان میں سب سے مشہور خط وہ ہے جو لنکن نے مسز بکسبی کے نام لکھا تھا۔ ایک سوگوار ماں کی حیثیت سے لنکن کو مسز بکسبی کا علم محکمہ جنگ کے کاغذات کے ذریعہ ہوا تھا۔ کارل سینڈبرگ نے اس خط کے بارے میں شاعرانہ انداز سے فرمایا ہے۔

"یہ ہے امریکن بائیبل کا ایک جزو۔ ان سپوتوں کی یادگار جو ہمارے محبوب تھے اور جنھوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ یہ ہیں ایک مقدس سنگیت کے خونی بول۔

مسز بکسبی کے نام چٹھی

ایگزیکیوٹو مینشن

۲۱ نومبر ۱۸۶۴ء

واشنگٹن ۲۰ نومبر ۱۸۶۴ء

عزیزم محترمہ!

مجھے محکمہ جنگ کی فائلوں میں مس چوزٹس کے ایڈجوٹنٹ جنرل کا ایک بیان دکھایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ ان پانچ فرزندوں کی ماں ہیں جنھوں نے نہایت شاندار طریقے سے میدان جنگ میں اپنی جانیں دی ہیں۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس بے پایاں نقصان سے آپ کو جو صدمہ پہونچا ہے اس کی طرف سے آپ کی طبیعت کو ہٹانے کی کوشش میں جو لفظ بھی میں استعمال کروں گا وہ کس قدر خفیف اور بے مصرف ہوگا مگر جس جمہوریت کے تحفظ کے لئے انھوں نے خود کو قربان کیا ہے اس جمہوریت کے اظہار تشکر میں جو تسکین مضمر ہے وہ میں آپ کو ضرور پہونچاؤں گا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اس صدمہ مفارقت سے آپ کو جو انتہائی رنج پہونچا ہے ہمارا آسمانی باپ اس کے بوجھ کو ہلکا کرے۔ آپ کے دل میں ان عزیزوں اور جاں سپاروں کی یاد قائم رہے اور آپ کو اس بات کا مقدس فخر حاصل ہو کہ آپ نے آزادی کی قربان گاہ پر اتنی گراں قدر بھینٹ چڑھائی ہے۔

آپ کا نہایت درجہ مخلص اور ادب گذار ـــــ اے لنکن۔

## خبر نویس کی حیثیت سے

ماہ دسمبر ۱۸۶۴ء میں ایک روز لنکن نے ایک اخباری نامہ نگار کو طلب کر کے

لہ انجیل مقدس۔

کہانی کی شکل میں ایک خبر اس کے حوالے کی جو انھوں نے خود ہی سپرد قلم کی تھی۔ اس خبر پر سرخی بھی درج تھی۔ انھوں نے نامہ نگار سے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ وہ اس خبر یہ کہانی کو چھپنے کے لئے دے سکتا ہے۔

صدر کی آخری حد درجہ مختصر اور بہترین تقریر۔

"گذشتہ ہفتے کے پنجشنبہ کو ٹینسی سے دو معزز خواتین صدر کی خدمت میں یہ عرضداشت لیکر حاضر ہوئیں کہ ان کے خاوند جو جزیرہ جانسنز میں جنگی قیدی ہیں رہا کر دیئے جائیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ جمعہ کے روز آئیں چنانچہ یہ خواتین جمعہ کے روز آئیں مگر پھر معاملہ شنبہ کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک خاتون نے ہر ملاقات میں اس بات پر زور دیا تھا کہ اس کا خاوند ایک مذہبی انسان ہے۔ شنبہ کو صدر نے قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر کر دیا اور اس خاتون سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ کہتی ہیں کہ آپ کے خاوند ایک مذہبی انسان ہیں۔ اب جب آپ ان سے ملیں تو کہہ دیں کہ میں مذہب کے معاملے میں تو جج ہوں نہیں مگر میری رائے میں جو مذہب بھی اس خیال سے لوگوں کو خود اپنی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے اور جنگ کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے کہ حکومت ان کو دوسروں کی مشقت سے کمائی ہوئی روٹی کافی مقدار میں کھانے نہیں دیتی وہ کسی حالت میں بھی ایسا مذہب نہیں ہو سکتا جس کے سہارے لوگوں کی بہشت میں رسائی ہو سکتی ہے"۔

اے۔ لنکن۔

---

# تعلیم کے بارے میں

## پہلا عوامی بیان

جہاں تک معلوم ہوا ہے لنکن نے عوام الناس کے لئے جو پہلا بیان دیا وہ اس بات کا اعلان تھا کہ لنکن الی نوائس کی جنرل اسمبلی کی ایک نشست کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہو رہے ہیں یہ بات ہے ۱۸۳۲ء کی جب ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔ جو اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اس

میں مقامی آئین سازی کے بارے میں ان کے نظریئے کی تفصیلات چھوڑ دی گئی ہیں لیکن اس سے ان کے اس زمانے کے مفادوں اور رجحانوں کا پتہ چلتا ہے۔

"رفیق شہریو!

میں اس ریاست کی آئندہ جنرل اسمبلی میں آپ کی نمائندگی کے معزز عہدے کیلئے امیدوار ہوں اس لئے ایک مسلمہ رواج اور صحیح جمہوریت پرستی کے اصولوں کے مطابق میں آپ کو یعنی ان لوگوں کو جن کی میں نمائندگی کرنا چاہتا ہوں، مقامی معاملات کے بارے میں اپنے جذبات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

وقت اور تجربے نے عملی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ داخلی حالات سے عوام کو کیا فائدے پہونچ سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اچھی سڑکوں کی تیاری سے اور ان دریاؤں کی اپنی حدود کے اندر صفائی سے جو جہازرانی کے قابل ہیں، ان ملکوں کو بہت زیادہ فائدہ پہونچ سکتا ہے جو نہایت درجہ غریب ہیں اور جن کی آبادی قلیل ترین ہے۔ اس کے باوجود کسی بھی کام کو پہلے یہ جانے بغیر کہ ہم اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچا بھی سکیں گے یا نہیں، ہاتھ میں لینا ٹھیک نہیں کیونکہ جو کام ادھورا ہوتا ہے اس پر جتنی بھی محنت کی گئی ہوتی ہے وہ رائیگاں ہی ثابت ہوتی ہے۔

جہاں تک تعلیم کا سوال ہے میرا منشا یہ نہیں کہ اس کے متعلق کوئی پلان یا طریقہ آپ لوگوں کو کچھی طور پر بتاؤں۔ میں تو صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اسے سب سے زیادہ ضروری مسئلہ سمجھتا ہوں جس میں ہم سب مجموعی طور پر ایک قوم کی حیثیت سے حصہ لے سکتے ہیں۔

یہ کہ ہر انسان کو کم از کم اتنی واجبی تعلیم حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے اور دوسرے ملکوں کی تاریخ پڑھ سکے اور جس سے اس کو ہمارے آزاد دستوروں کی قدر و قیمت کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔ اگر یہ بھی موقع حاصل ہو سکے کہ سب لوگ مقدس اور دوسری قسم کی کتابیں جو مذہبی یا اخلاقی ہوں پڑھ سکیں تو پھر کہنا ہی کیا۔ اس سے جو فوائد حاصل ہوں گے اور طبیعت کو جو اطمینان میسر ہوگا اس کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں بہت جلد اس دن کے دیکھنے کا آرزومند ہوں جب تعلیم اور اس کے ذریعہ اخلاق

متانت، عالی حوصلگی اور جفاکشی کی خوبیاں موجودہ زمانے کے بمقابلہ کہیں زیادہ عام ہو جائیں گی اور مجھے سکون اسی وقت حاصل ہوگا جب کوئی ایسا قدم اٹھا نا میرے امکان میں ہو گا جس سے وہ مبارک زمانہ جلد سے جلد آسکے۔

نوعمری میں حلم وانکسار کافی ہونا چاہئے اس نکتے کو مدنظر رکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ شاید میں بڑی تمکنت اور جسارت سے کام لیتا رہا ہوں۔ یہ مجھ کو زیب نہیں دیتا تھا بہر حال جن مسائل پر میں نے کچھ روشنی ڈالی ہے ان کے متعلق میں نے ہر ایک بات اپنی سمجھ کے مطابق کہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے خیالات کسی ایک مسئلے کے بارے میں یا تمام مسئلوں کے بارے میں غلط ہوں مگر میں تو اس قول کا قائل ہوں اور اسے مناسب اور درست سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ ایک غلط راستے پر چلتے رہنے سے بہر حال یہ بہتر ہے کہ ہم کبھی تو صحیح راستہ اختیار کریں اس لئے عنقریب جلد مجھے اپنی کوئی رائے غلط معلوم ہوگی میں اس سے دستکش ہونے کے لئے آمادہ رہوں گا۔

کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کا ایک خاص ارمان ہوتا ہے۔ اب یہ صحیح ہو یا غلط میں تو کہتا ہوں کہ میرے دل میں اس سے زیادہ بڑا اور کوئی ارمان نہیں ہے کہ میں صحیح معنوں میں لوگوں کی نظروں میں چڑھ سکوں۔ خود کو اس قابل بنا سکوں کہ وہ مجھے اپنی آنکھوں میں جگہ دے سکیں۔ اب رہی یہ بات کہ میرا یہ ارمان کہاں تک پورا ہو سکے گا اس کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

میں نوجوان ہوں اور آپ میں سے اکثر حضرات مجھ سے واقف بھی نہیں۔ میں زندگی کی حقیر ترین راہوں میں پیدا ہوا تھا اور مجھے انھیں حقیر ترین راہوں سے ہمیشہ گزرنا پڑا ہے میرے پاس نہ دولت ہے اور نہ ہی میرا ربط و ضبط عوام کے ساتھ ہے دونوں باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں جو میرے حق میں سفارش کا کام کر سکے۔ میرا معاملہ تو اس کاؤنٹی کے رائے دہندگان کے ہاتھوں میں ہے اور اگر مجھ کو کامیابی حاصل ہو گئی تو میں اس کو انہیں حضرات کی نوازش کا نتیجہ سمجھوں گا۔ میں حتی المقدور ان کے اس احسان سے سبکدوش ہونے کی لگاتار کوشش کرتا رہوں گا اور اگر یہ نیک بندے اپنی عقل و فراست کے مطابق یہی دیکھنا مناسب سمجھیں کہ میں پس پشت پڑا رہوں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں میں اس قسم کی مایوسیوں اور بد دلیوں کا عادی ہو چکا ہوں مجھ پر ان کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا میں ان سے کسی طرح

سے بھی آزردہ اور کبیدہ خاطر ہوں یہ بات مجھ سے بہت دور ہے۔

آپ کا دوست اور ہم وطن شہری ——— ابراہم لنکن۔

نیو سلیم، ۹ر مارچ ۱۸۳۲ء

## ذہنی غلامی

دماغ کو اپنی کم قدری کی بدعت سے (یعنی اس خیال سے کہ صرف برتر طبقے والے ہی لوگ تعلیم پانے کے اہل ہیں) نجات دلانا ہی وہ کار عظیم ہے جس کو سر انجام دینے کے لئے دنیا میں فن طباعت معرض وجود میں آیا۔ اب تو ہمارے لئے اس بات کا تصور بھی محال ہے کہ دماغ کی یہ غلامی کس قدر مضبوط تھی اور اسے اپنی زنجیروں کو توڑنے نیز آزادی خیال کی عادت ڈالنے میں کتنا عرصہ لگا ہوگا۔

تقریر بمقام اسپرنگ فیلڈ۔ ۲۲ر فروری ۱۸۵۹ء

## تحریر کی ایجاد

لکھنا یعنی خیالوں کو آنکھوں کے ذریعہ دل تک پہونچانے کا فن دنیا کی عظیم ترین ایجاد ہے۔ اس کے نہایت بھدے اور عام تصور کی تہہ میں تجزیہ و اتصال کا جو نہایت حیرتناک تسلسل ہے وہ عظیم ہے، نہایت عظیم ہے جس کے طفیل ہم زمان و مکاں کی ہر دوری پر ان لوگوں سے بات کر سکتے ہیں جو مر چکے ہیں جو اب موجود نہیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں۔ یہ تسلسل محض اس لیے عظیم نہیں ہے کہ اس سے براہ راست فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ اس لیے عظیم ہے کہ اس سے تمام ایجادوں کو زیادہ سے زیادہ مدد ملتی ہے۔

لکچر، اسپرنگ فیلڈ۔ ۲۲ر فروری ۱۸۵۹ء

## کچھ کھیتی باڑی کے بارے میں

حالانکہ غلامی کا مسئلہ اس زمانے کا ایک گرماگرم مسئلہ تھا لیکن لنکن دوسرے مسائل کے بارے میں بھی بہت گہرے خیالات رکھتے تھے وہ اپنے ملک کی خاک سے پیدا ہوئے تھے۔ ایک ایسے ملک کے انسان تھے جس کی سرحدیں پھیلتی جارہی تھیں۔ زراعت یا کھیتی باڑی کی ترقی سے ان کو ہمیشہ دلچسپی رہی (یہ چند سالوں کے بعد کی یعنی زمانہ

صدارت کی بات ہے کہ جب زراعت کے سلسلے میں پہلا سرکاری بیوریو قائم ہوا اور اس بیوریو نے بڑھتے بڑھتے ایک روز ریاستہائے متحدہ کے محکمہ زراعت کی صورت اختیار کی۔ ۷ ستمبر ۱۸۵۹ء میں انہوں نے میڈی سن کے مقام پر اسٹیٹ ایگریکلچرل سوسائٹی میں اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کا جو حصّہ درج ذیل ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زراعتی مسائل کے مطالعہ کے سلسلے میں باقاعدہ نصابوں کی تشکیل کے کئی سال پہلے ہی ان کو زراعتی تعلیم کے امکانات کا اندازہ کہاں تک ہو گیا تھا۔

"زراعت کے سوا اور کسی پیشے میں بھی اتنی گنجائش نہیں کہ اس سے ایک طرف سود مند اور معقول مزدوری بھی حاصل ہو اور دوسری طرف شائستگی خیال کو بھی فروغ حاصل ہو۔ میری طبیعت اور کسی بات سے اتنی محظوظ نہیں ہوتی جتنی کسی ایک ایسی چیز کی دریافت سے ہوتی ہے جو بیک وقت نئی بھی ہو اور فائدہ مند بھی۔ دل میں کامیابی کی امید رکھ کر کسی دریافت کے سلسلے میں مسلسل لگن کے ساتھ کام کرنے کے علاوہ مجھے اور کسی ایسی چیز کا علم نہیں جو محنت و مزدوری کو اتنا سبک اور خوشگوار بناتی ہو۔ اس قسم کی دریافت کرنے کے لئے زراعت کا میدان کتنا وسیع ہے اور اس میں مختلف انواع و اقسام کی کتنی گنجائشیں نکل سکتی ہیں۔ جس دماغ کو سوچنے کی تربیت دیہات کے کسی مدرسے یا اس سے زیادہ کسی اونچے مدرسے میں پہلے ہی حاصل ہو چکی ہو اس کو تو زراعت کا پیشہ پر از منفعت حظ و مسرت کا ایک بے پایاں وسیلہ ہی نظر آئے گا۔ اس کو تو گھاس کی پتی پتی سے درس ملتا ہے اور جہاں ایک چیز پیدا ہوتی ہے وہاں دو چیزوں کا پیدا کرنا سود مند بھی ہوتا ہے اور خوشی کا باعث بھی۔ اور درس صرف گھاس کی پتی پتی ہی سے نہیں ملتا ہے۔ کھاد، بیج، موسم، باڑیں، خندقیں، فصیلیں، نالیاں، خشک سالی سنچائی، جتائی، کھدائی، گڑائی، فصل کا اٹھانا، گھاس کی کٹائی، کہائی، فصل کی رکھوالی فصل کو تباہ کرنیوالی وبائیں اور ان کے انسداد و علاج کی تدابیر، اوزار، برتن، مشینیں، ان کی نسبتی خوبیاں، اور ان کو ترقی دینے کی تراکیب، سور، گھوڑے، مویشی، بکرے، مرغ درخت، جھاڑیاں، پھل پھول اور ایسی ہزاروں دوسری چیزیں جن کے چند نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے سب کی سب بجائے خود ایک جہان مطالعہ ہیں۔ ان سب باتوں میں ابھی صرف

کتابیں پڑھنے کی سہولت مہیا ہے۔ اگر پڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے، طبیعت میں اس کا ذوق ہوتا ہے تو جو کچھ باتیں دوسروں نے دریافت کی ہیں ہماری رسائی ان تک ہوسکتی ہے جو مسئلے پہلے ہی حل ہو چکے ہیں کتابوں کی پڑھائی ان مسئلوں کی کلید ہے اور صرف یہی نہیں اس سے ان باتوں کو کامیاب طور پر حل کرنے کے لئے ذوق پیدا ہوتا ہے سہولت حاصل ہوتی ہے جو ابھی تک عقدۂ ناکشودہ ہیں، جن کا حل ابھی تک دریافت نہیں ہوا ہے۔ سائنس کی مبادیات ہماری دسترس میں ہیں اور وہ نہایت درجہ بیش بہا ہیں۔ نباتاتی دنیا کے مطالعہ میں علم نباتات سے مدد ملتی ہے۔ فصلوں کی تیاری کے متعلق جو رزافزوں کیمیائی معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ مٹی کی چھان بین، کھاد کے انتخاب اور اس کے استعمال نیز اور نہ جانے کتنی ہی باتوں کے سیکھنے میں کام آتی ہیں فلسفۂ طبیعات کی میکانکی شاخ سے قریب قریب ہر بات میں اور خاص طور پر اوزاروں اور مشینوں کے سلسلے میں تو بہت مدد حاصل ہوتی ہے۔

ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ اصول مدنظر ہو کہ جو کام کیا جائے وہ شروع سے آخر تک ہر پہلو سے مکمل ہونا چاہئے تو پھر زراعتی یا اور کسی قسم کی مشقت یا مزدوری کے ساتھ ساتھ تعلیم یعنی خیال کی آراستگی اور شائستگی بھی جاری رہ سکتی ہے بے احتیاطی کے ساتھ نامکمل طور پر اور بدسلیقگی کے ساتھ کئے ہوئے کام کا تعلیم سے تال میل نہیں ہوسکتا۔ اگر کام شروع سے آخر تک ہر پہلو سے مکمل طور پر کیا جائے گا تو ہر شخص کے لئے قلیل ترین زمین بھی بہت کافی ہوگی۔ اور یہ بات تو اسی دنیا میں ممکن ہوسکتی ہے جس کی توجہ آجکل کے بمقابلہ جنگ کی طرف کم ہوگی اور زمانہ امن کے فنون کی طرف زیادہ ہوگی۔ آبادی میں تو لازمی طور پر تیزی کے ساتھ اضافہ ہوگا پچھلے وقتوں میں اتنی تیزی کے ساتھ یہ اضافہ کبھی نہ ہوا ہوگا اور زیادہ مدت نہیں گذرنے پائے گی جبکہ تمام فنون میں سب سے زیادہ قابل قدر فن یہ ثابت ہوگا کہ خواہ زمین کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اس سے اتنی آمدنی مہیا ہو جانے لگے جس سے آسائش کے ساتھ گزر ہو سکے جس جماعت کے ہر فرد کو یہ فن آتا ہے وہ کبھی کسی قسم کے بھی ظلم کا شکار نہیں ہوسکتی۔ ایسی جماعت تو نہ تاجدار بادشاہوں کی محتاج ہوگی نہ دولت مندوں کی اور نہ زمین کے ملکیت داروں کی۔

کہا جاتا ہے کہ خطۂ مشرق کے ایک بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھ رہنے والے کچھ دانشمندوں

کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسا فقرہ ایجاد کریں جو ہمیشہ نظر کے سامنے رہے اور جو ہر زمانے اور ہر حالت میں درست اور موزوں ثابت ہو۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک فقرہ پیش کیا وہ فقرہ یہ تھا "یہ بھی رفتنی وگذشتنی ہے"۔ کتنا معنی خیز فقرہ ہے جس وقت فخر و غرور کا موقع ہو اس وقت اس فقرے سے کتنی تنبیہہ حاصل ہوتی ہے اور جب انسان انتہا درجہ کی مصیبت میں مقید ہوتا ہے اس وقت بھی یہ فقرہ کتنا تسکین بخش ثابت ہوتا ہے۔ "اور یہ بھی رفتنی وگذشتنی ہے"۔ مگر بہ ایں ہمہ یہ فقرہ کلیتاً درست نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں امید کرنا چاہئے کہ ایک طرف ہمارے نیچے اور ہماری چاروں جانب جو مادی دنیا ہے اور دوسری طرف ہمارے اندر جو ذہنی اور داخلی دنیا موجود ہے اس کی بہترین نشو و نما کر کے ہم کو ایک ایسی انفرادی، سماجی اور سیاسی فارغ البالی اور مسرت حاصل ہوگی جس کا رخ آگے کی طرف بھی ہوگا اور اوپر کی طرف بھی اور جو رہتی دنیا تک "رفتنی وگذشتنی" نہیں ہوگی۔

وسکانسن اسٹیٹ ایگری کلچرل سوسائٹی ملواکی وسکانسن
کے سامنے فرمائے ہوئے ایک خطبے کا اقتباس۔ ۳ ستمبر ۱۸۵۹ء
کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد پنجم صفحہ ۲۵۲

---

# سیاسیات کے بارے میں

## عوام کے سامنے جواب دہی

اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی دور میں لنکن نے ایک چٹھی لکھی تھی جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں کتنی زبردست اخلاقی جرأت تھی۔

عزیز کرنل!

مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ گذشتہ ہفتے میری عدم موجودگی میں آپ کا گزر اس طرف ہوا تھا اور آپ نے سب کے سامنے یہ فرمایا تھا کہ آپ کو ایسی حقیقتوں کا علم ہے جو اگر عام لوگوں کو معلوم ہو جائیں تو آئندہ انتخاب کے موقع پر این ڈبلیو ایڈورڈز کی اور میری کامیابی کے امکانات

یک قلم ختم ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ ان باتوں کو طشت از بام کرنے سے گریز کریں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ نوازشوں کی جتنی ضرورت مجھے ہے اتنی غالباً کسی کو نہ ہوگی اور عام طور پر صرف معدودے چند ایسے اشخاص ہوں گے جن کو ایسی نوازشات کے قبول کرنے میں پس و پیش ہوگا لیکن اس معاملے میں اگر مجھ پر آپ کسی قسم کی نوازش فرمائیں گے تو اس سے عوام کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوگی اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ مجھے آپ کی یہ نوازش یہ کرم فرمائی درکار نہیں ہے اور اس کے لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ مجھے کسی زمانے میں سینگامن کے باشندوں کا اعتماد حاصل تھا اور اگر میری طرف سے عمداً یا غلطی سے کوئی ایسی بات ہو گئی ہے جس کے ظاہر ہونے سے وہ اعتماد جاتا رہے گا تو جس شخص کو کوئی ایسی بات معلوم ہوتی ہے اور وہ اسے چھپاتا ہے وہ درحقیقت اپنے ملک کے ساتھ غداری کرتا ہے۔

جن باتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے میں تو ان کو قطعاً تصور میں بھی نہیں لا سکتا خواہ وہ حقیقی ہوں خواہ فرضی مگر آپ کی راست بازی کے بارے میں جو رائے میں نے قائم کر رکھی ہے وہ مجھے ایک لمحے کے لئے بھی یہ شک کرنے کی اجازت نہیں دیتی کہ خود آپ بھی ان باتوں کو درست سمجھتے ہیں جو آپ نے فرمائی تھیں۔ اس بات سے تو میری خوشی کی کوئی حد نہیں رہتی کہ آپ کو ذاتی طور پر میرا اتنا لحاظ ہے لیکن مجھے امید ہے کہ زیادہ بالغ نظری سے غور کرنے پر آپ ہمیشہ عوامی مفاد ہی کا خیال رکھیں گے اور جو کچھ بدترین بات پیش آسکتی ہے اسے پیش آنے دیں گے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جس قدر صاف بیانی سے کام لیں گے اس سے خواہ مجھے کتنی ہی پستی اور حقارت کا شکار کیوں نہ ہونا پڑے یعنی دنیا کی نگاہوں میں کتنا ہی ذلیل کیوں نہ ہو جاؤں اس سے ان ذاتی اور دوستانہ تعلقات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا جو میرے اور آپ کے درمیان اب تک رہے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ آپ اس تحریر کا جواب عنایت فرمائیں اور اگر آپ چاہیں

تو میری اس تحریر کو اور اپنے جواب کو شائع بھی کرا دیں۔

آپ کا نہایت ادب گزار ــــــــــ اے لنکن۔

کرنل رابرٹ ایلن کے نام ایک چٹھی۔ نیو سلیم، الی نوائس۔ ۲۱ جون ۱۸۳۶ء

کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد اول صفحہ ۱۵

## سیاسی مسائل

۱۸۳۹ء میں لنکن کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ اسی زمانے میں انہیں اپنی ریاست کی نمایاں سیاسی شخصیتوں میں ایک خاص مقام حاصل ہو گیا تھا۔ اسی سال کے ماہ دسمبر میں انہوں نے اسپرنگ فیلڈ کے مقام پر ایوان نمائندگان میں اس زمانے کے سیاسی مسائل پر ایک تقریر فرمائی تھی۔ اس تقریر میں انہوں نے اپنی جماعت کی بڑی حمایت کی تھی۔ لنکن اس زمانے میں وہگ پارٹی کے بڑے پرجوش ممبر بن گئے تھے۔ اب ریاست ہائے متحدہ میں اس پارٹی کا وجود نہیں ہے لیکن اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصول پر کتنی مضبوطی کے ساتھ قائم تھے یہ تقریر اس طرح ختم ہوئی۔

"مسٹر لیمبارن نے ریاستوں کے پچھلے انتخابات کا ذکر کیا ہے اور ان انتخابات کے نتائج کو سامنے رکھ کر وہ نہایت اعتماد کے ساتھ پیش گوئی کرتے ہیں کہ آئندہ صدارتی انتخاب میں یونین کی ہر ریاست مسٹر وان بیورن کے حق میں ووٹ دے گی مگر جو دلیل انہوں نے پیش کی ہے اس کا ذکر ان لوگوں کے سامنے کیجئے جو بزدل ہیں ہکچیتے ہیں۔ آزاد منشوں اور بہادروں کے سامنے ایسی باتیں زبان پر نہ لائیے گا۔ ان باتوں سے ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ممکن ہے ان کی دلیل سچ ہو لیکن اگر واقعی وہ سچ ہے تو ہونے دیجئے۔ بہت سے آزاد ممالک اپنی آزادی کھو بیٹھے ہیں۔ ہمارا ملک ممکن ہے اس سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی مجھے یہ فخر حاصل رہے گا کہ نہ صرف یہ کہ میں نے اس کا ساتھ سب سے آخر میں چھوڑا بلکہ میں نے اس کا ساتھ کبھی چھوڑا ہی نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ واشنگٹن کے آتش فشاں پہاڑ سے جو اس خبیث النفسی کا ابھارا اور بھڑکایا ہوا ہے جس نے وہاں بری طرح اپنا تسلط جما رکھا ہے، سیاسی بدعنوانیوں کا آتشیں مادہ ابلا پڑ رہا ہے اور سیاسی

بدعنوانیوں کی یہ رو بہت چوڑی اور گہری ہے اور نہایت خوفناک تیز رفتاری کے ساتھ ملک کے طول وعرض میں پھیلتی چلی جارہی ہے کوئی سرسبز و شاداب جگہ اور کوئی زندہ چیز بھی اس کی زد سے بچی نہیں جس کو جلا کر اس نے خاک وسیاہ نہ کر دیا ہو۔ اس کے سینے پر دوزخ کی لہروں پر تیرنے والے عفریتوں کی طرح خبیث النفسی کے شیطانی بچے سوار ہیں اور اپنے جناتی انداز میں ان سب لوگوں پر آوازہ کشی کر رہے ہیں، ان کو طعنہ دے رہے ہیں جو ہمت کر کے اس کی تباہ کن روانی کا مقابلہ کرتے ہیں اور جنہیں اپنی کوششوں میں کامیابی نہیں ہوتی، جو بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان سب باتوں کو جانتے ہوئے میں یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس رو کی لپیٹ میں سب ہی لوگ آجائیں گے اور اس سے دل شکستہ و خستہ ہو کر ممکن ہے میں بھی اس کے سامنے ٹوٹ جاؤں لیکن میں جھکوں گا نہیں اس اندیشے سے کہ ہم لوگ اس جدوجہد میں شکست کھا جائیں گے، ایک ایسی تحریک کی حمایت سے ہرگز باز نہیں رہ سکتے جسے ہم درست سمجھتے ہیں۔ یہ رو ہمیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی کبھی کبھی میں یہ محسوس کرنے لگتا ہوں کہ میرے اندر بسنے والی روح بلندی کی طرف جا رہی ہے اور اتنے وسیع اتنے طویل اور اتنے عمیق پیمانے پر پھیلتی جارہی ہے کہ اسے اس کے قادر کل معمار اعظم کے کلیتاً غیر شایان شان نہیں قرار دیا جا سکتا اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب میرے تصور میں میرے ملک کا مفاد ہوتا ہے اس ملک کا مفاد جس کا ساتھ ساری آس پاس کی دنیا نے چھوڑ دیا ہے اور میں بہادری کے ساتھ تن تنہا کھڑا ہوں اور اپنے ملک کے متحد جابروں کی کھلم کھلا نافرمانی کر رہا ہوں مجھے اس بات کی فکر نہیں کہ انجام کیا ہوگا میں خدائے برتر کی بارگاہ میں اور ساری دنیا کے سامنے قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنی جنم بھومی کے اپنے اس ملک کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اپنی آزادی اور اپنی محبت کے صحیح مفاد کا ہمیشہ وفادار رہوں گا کیونکہ میں اسے صحیح سمجھتا ہوں اور کون ایسا شخص ہے جو میرا ہم خیال ہو کر کبھی میرے ساتھ نڈر ہو کر قسم کھانے کو تیار نہیں۔ جو شخص بھی سچائی پسند ہے، خود کو حق بجانب سمجھتا ہے اس کو چاہئے کہ کبھی متزلزل نہ ہو۔ اس کے ارادے کبھی ڈانواڈول نہ ہوں اور اس طرح ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی لیکن اگر ہماری

شکست ہونا ہی ہے تو ہونے دیجئے، اور پھر بھی ہمیں اپنے ضمیر سے اور ہمارے ملک کو جو آزادی حاصل تھی اس کے جدا ہونے والے سائے سے یہ کہہ کر فخر کے ساتھ اطمینان حاصل ہو گا کہ جس مقصد کے لئے ہم لڑے وہ ہماری نظر میں درست تھا۔ ہم اس کی دل سے پرستش کرتے تھے اور خواہ ہم پر کتنی ہی مصیبت کیوں نہ پڑی ہو خواہ ہم قید و بند ہی میں کیوں نہ مبتلا رہے ہوں، خواہ ہم پر کتنے ہی مظالم کیوں نہ توڑے گئے ہوں اور خواہ ہمیں موت کا بھی کیوں سامنا نہ کرنا پڑا ہو، ہمارے پاؤں جادۂ مدافعت میں کبھی نہیں ڈگمگائے، کبھی متزلزل نہیں ہوئے۔

## ایک سیاسی ریلی میں لنکن کا مشورہ

اب میں نوجوانوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ بزرگ لوگ آکر آپ کو آگے بڑھائیں گے۔ میری ہی مثال لے لیجئے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے کبھی بھی دیا جاتا اگر میں اس بات کا انتظار کرتا کہ بزرگ لوگ آکر مجھے اونچا اٹھائیں گے اور آگے بڑھائیں گے۔ آپ سب نوجوان یکجا ہو جائیے اور ایک رف اور ریڈی کلب بنائیے۔ اس کے باقاعدہ سب جلسے ہوں اور ان جلسوں میں تقریریں کی جائیں جس شخص کو بھی آپ اس کلب میں داخل کرنا چاہیں داخل کر لیں .. .. اور جتنا جتنا آپ آگے بڑھیں تمام شہر میں جتنے ہوشیار اور سر پھرے لڑکے ہوں ان کو اکٹھا کیجئے خواہ وہ بالغ ہوں خواہ نابالغ۔ ہر شخص کو وہ پارٹ ادا کرنا چاہئے جو وہ کر سکتا ہے، کچھ تقریریں کریں، کچھ گائیں اور سب مل کر نعرے لگائیں۔ للکاریں۔

ولیم ایچ ہرنڈن کے نام ایک چٹھی کا اقتباس۔ ۲۲ جون ۱۸۴۸ء

کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد دوم صفحہ ۴۹

## خدمت کی خواہش عظیم

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں غیر معمولی طور پر ذاتی اغراض و غایت سے مستثنیٰ ہوں۔ یہ تو مان سکتا ہوں کہ میں بہترین اور اوسط قسم کے انسانوں کو پسند کرتا ہوں ساتھ ہی ساتھ میرا احتجاج یہ بھی کہنا ہے کہ میں اس تحت مقابلہ میں کلیتاً یا خصوصاً محض کوئی

ذاتی مقصد لے کر ہرگز شامل نہیں ہوا ہوں۔ مجھے جیسا کہ میرا خیال ہے مجھے اس قوم میں غلامی کو عالمگیر اور دوامی بنانے کی سازش صاف طور پر نظر آ رہی ہے۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کی کوشش مسلسل اور مدت مدیدہ تک جاری رہے گی اور سینیٹر کے اس عہدے کی مقررہ میعاد کے بعد بھی بہت زیادہ دنوں تک جاری رہے گی جس کے لئے اس وقت میرے اور ج۔ ڈگلس کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے۔ میں اس مقابلے میں اسی غرض سے شامل ہوا ہوں کہ اس سازش کی مخالفت میں حصہ لے سکوں خواہ وہ حصہ کتنا ہی حقیر اور عارضی کیوں نہ ہو۔

ایک تقریر کے لئے یادداشتی نکتوں سے ماخوذ۔ بحوالہ کمپلیٹ ورکس (کلیات) جلد چہارم صفحہ ۲۱۴۔

## سیاسی جماعتوں کے باہمی مناقشے

اس ملک کی تاریخ میں نہ کبھی کوئی ایسی جماعت تھی اور نہ غالباً آئندہ کبھی ہو گی جس میں اتنی طاقت ہو کہ اس ملک کے امن عامہ کو درہم برہم کر دے۔ پارٹیوں میں باہم نفاق ہو سکتا ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ سکتی ہیں لیکن یہ نفاق یہ جھگڑے کبھی پارٹیوں سے باہر نہیں ہوتے۔

مباحثہ ایلٹن ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۸ء

## نامزدگی کی منظوری

ماہ مئی ۱۸۶۰ء میں ری پبلکن پارٹی نیشنل کنونشن نے اپنے ایک اجلاس میں جو بمقام شکاگو واقع الی نوائس میں منعقد ہوا تھا، صدارت کے لئے لنکن کو منتخب کیا۔ لنکن نے نہایت متانت کے ساتھ یہ نامزدگی منظور فرمائی۔

اسپرنگ فیلڈ، الی نوائس ——— ۲۳ مئی ۱۸۶۰ء

آنریبل جارج اشمون۔ صدر ری پبلکن نیشنل کنونشن

جناب عالی!

آپ کی صدارت میں جو کنونشن منعقد ہوا تھا اس میں میری نامزدگی عمل میں آئی ہے۔ میں اس نامزدگی کو قبول کرتا ہوں۔ اس کی اطلاع مجھے آپ کے اور دوسرے حضرات کے ذریعہ ملی جو کنونشن کی اس کمیٹی کے رکن تھے جو خاص طور پر اسی مقصد کے لئے قائم

کی گئی تھی۔

اصول اور جذبات کے متعلق جو بیان اس خط کے ہمراہ منسلک ہے وہ مجھے منظور ہے اور میں خیال رکھوں گا کہ کسی پہلو سے بھی اس اعلان کا انحراف نہ ہونے پائے اور میں اس کی طرف کسی قسم کی بے اعتنائی روا نہ رکھوں۔

میں خداوند تعالیٰ کی امداد کے لئے خواستگار ہوں۔ مجھے ان تمام لوگوں کے اعتقادات نظریات اور احساسات کا جن کی نمائندگی کنونشن میں کی گئی ہے نیز تمام ریاستوں کے حقوق کا تمام علاقہ جات کا، قوم کے تمام افراد کا، آئین کے ناقابل خلاف ورزی ہونے کا اور سب کے دوامی اتحاد اور یکجہتی، ہم آہنگی اور سب کی فارغ البالی کا پورا خیال ہے اور اسی لئے مجھے ان اصولوں کی عملی کامیابی کے حصول میں اشتراک کرنے سے بڑی مسرت حاصل ہوگی جن کا کنونشن نے اعلان کیا ہے۔

آپ کا ممنون کرم دوست اور ہموطن شہری

اے لنکن۔

## ایک سفارش کا جواب

ایک روز کچھ سرگرم ری پبلکنوں کا ایک وفد لنکن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ ان کے ایک آدمی کو پورٹ کی کلکٹری کا عہدہ مل جائے۔ یہ صاحب شہر کے ایک ممتاز شخص تھے وفد کے صدر نے جہاں اور باتیں کہیں وہاں یہ بھی کہا "جناب من! جو شخص بھی ان کا مرتبہ ان کے رفقائے کار کی نگاہوں میں زیادہ بلند کرے گا، اس کا جتنا بھی احترام کیا جائے کم ہوگا۔" مگر اس کے باوجود لنکن نے یہ کہہ کر وفد کی درخواست رد کر دی۔

"معزز حضرات! آپ سب صاحبان سے ان صاحب کی اس قدر تعریف سنکر مجھے بڑی مسرت ہوئی مگر ان کو عہدے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ عہدے سے ان کو کوئی مزید فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اتنی محنت سے انہوں نے جو شہرت حاصل کی ہے اس میں کوئی اضافہ بھی ناممکن ہے۔ جناب صدر! آپ نے درست ہی فرمایا ہے کہ جو شخص ان صاحب کا رتبہ ان کے رفقائے کار کی نظر میں زیادہ بلند کرے گا اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کے ایسے نیک اور بہترین قسم کے انسان کو اتنا چھوٹا سا عہدہ دینا ان کے ساتھ بے انصافی کرنا ہوگا۔ میں تو اس عہدے کو کسی اور غریب سیاستدان کے

لئے محفوظ رکھوں جو حاجتمند ہو۔

۱۸۶۱ اسینڈبرگ، وارایرز جلد اول صفحہ ۳۷۲۔

## سرکاری ملازمت

(ایک مرتبہ لنکن کا دفتر درجنوں ایسے شخصوں سے بھر گیا جو سرکاری ملازمت چاہتے تھے اس موقع پر ان کو اپنی ایک تمثیل یاد آئی۔)

ایک مرتبہ جب یازو کے قریب دلدل میں پھنسی ہوئی ایک کشتی کا مجھے خیال آرہا تھا میں نے ایک بادشاہ کے متعلق ایک کہانی پڑھی۔ بادشاہ نے اپنے دربار کے وزیر کو بلا کر کہا کہ میں شکار کھیلنے جانا چاہتا ہوں اور اس سے پوچھا کہ کہیں اس وقت بارش تو نہیں ہوگی۔ وزیر نے بادشاہ سے جواب میں کہا کہ مطلع صاف رہے گا بارش نہیں ہوگی آپ شکار پر جا سکتے ہیں۔ راستے میں بادشاہ کو ایک کسان ملا جو ایک گدھے پر سوار چلا جا رہا تھا اس نے بادشاہ سے کہا۔ حضور بارش ہوگی آپ واپس تشریف لے جائیں۔" بادشاہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اس نے کسان کی بات سنی ان سنی کر دی اور آگے بڑھتا چلا گیا جیسے ہی وہ شکار میں مشغول ہوا بڑے زور کی بارش آگئی موسلا دھار پانی برسنے لگا جس سے بادشاہ اور بادشاہ کے ہمراہی سب لوگ بھیگ کر لت پت ہوگئے۔ بادشاہ محل واپس گیا اس نے وزیر کو نکال باہر کر دیا اور کسان سے بولا

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ پانی برسے گا"؟

کسان نے جواب دیا" اعلیٰ حضرت مجھے کچھ خبر نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔ البتہ میرے گدھے کو پتہ لگ گیا تھا۔ جب بھی پانی برسنے والا ہوتا ہے تو اس کے کان آگے کی طرف بڑھ آتے ہیں اور جب موسم خشک ہو جاتا ہے تو پیچھے کی طرف جھک جاتے ہیں"۔

کسان کا جواب سنکر بادشاہ نے اس کو تو روانہ کر دیا اور گدھے کو بلوایا جب گدھا آیا تو بادشاہ نے اس کو وزیر کی کرسی پر بٹھا دیا۔

عین اسی جگہ بادشاہ سے غلطی ہوگئی کیونکہ اس وقت سے ہر گدھا کسی نہ کسی عہدے کا خواستگار ہونے لگا ہے بھلے مانسو اپنی سندوں کو نہیں چھوڑ جاؤ جب لڑائی ختم ہو جائے اس وقت میں تم کو اس کا جواب دوں گا۔ واشنگٹن ڈی۔ سی ۱۸۶۲ء وارایرز جلد دوئم صہ ۳۹

## یہ جھگڑا کس لئے؟

لڑئیے جھگڑئیے بالکل نہیں جو شخص زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے پاس ذاتی مناقشوں کے لئے بہت کم وقت ہوتا ہے وہ ہر قسم کا خمیازہ اٹھاتے کے لئے تو تیار ہو ہی نہیں سکتا نہ تو دماغی توازن کھو بیٹھنے سے کچھ کام نکلتا ہے نہ اپنے آپے سے باہر ہو جانے سے۔ بڑی چیزیں تو دوسروں کو دیدیجئے جن پر آپ کا مساوی حق ہے اور چھوٹی چیزوں سے بھی درگذر کیجئے خواہ ان پر آپ ہی کا واحد حق کیوں نہ ہو۔ کتے کے لئے راستہ چھوڑ دینا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ اپنے حق کے لئے اس سے کشمکش کر کے آپ خود اس سے کٹوالیں۔ اگر آپ کتے کی جان لے لیں گے تو اس سے کتے کا کاٹا اچھا نہیں ہو جائے گا۔

بنام جیمز اے کٹس۔ واشنگٹن سی۔ ڈی۔

۲۶ اکتوبر ۱۸۶۳ء۔ لیپسلے جلد ہشتم صفحہ ۹۳

## جنگ کے بعد

ہاں۔ ہم سب کو چاہئے کہ خود کو اس بات پر مبارک باد دیں کہ ایسی سنگدلانہ جنگ کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ اس جنگ میں بیحد دولت صرف ہوئی ہے اور بیحد خون بہا ہے۔ امریکہ کے پھولتے پھلتے نوجوانوں کا بہترین خون ملک کی قربان گاہ پر اس لئے بھینٹ چڑھایا گیا ہے کہ قوم زندہ رہے۔ ری پبلک کو بڑی آزمائشوں کے دور سے گذرنا پڑا ہے لیکن مستقبل قریب میں مجھے ایسے نازک آثار دکھائی دے رہے ہیں جن سے میری نبضیں ساقط ہوتی جا رہی ہیں اور میں یہ سوچ کر کانپ اٹھتا ہوں کہ میرے ملک کی حفاظت کیسے ہوگی۔؟

جنگ کے نتیجے کے طور پر کارپوریشنوں کو بڑے بڑے اختیارات حاصل ہو گئے ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر رشوت خوری کا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ ملک کی جتنی بھی طاقت روپے کی شکل میں ہوگی وہ عوام پر بیجا اثر ڈال کر اپنی حکومت جاری رکھنے کی کوشش میں صرف ہوگی حتیٰ کہ دولت چند اشخاص کے ہاتھوں میں آجائیگی اور ری پبلک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اپنے ملک کی حفاظت کی جتنی فکر اس وقت مجھ کو ہے اتنی اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوئی، جنگ کے دوران میں بھی نہیں ہوئی۔ خدا کرے کہ میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ ۲۱ نومبر ۱۸۶۴ء رشیلیبٹ صفحہ ۲۸۲۔

# مختلف مسائل

## ایک رشتے دار کو مشورہ

یہ تو سب کو بخوبی معلوم ہے کہ لنکن ایک بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور جیوں جیوں ان کی ترقی دنیا میں ہوئی گھرانے کے دوسرے افراد آئے دن ان سے امداد کے خواہاں رہتے تھے۔ وہ حتی الامکان بڑی فراخدلی سے ان گھر والوں کی مدد کرتے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں ایک مرتبہ جب وہ کانگرس کے ممبر کی حیثیت سے واشنگٹن میں تھے، انہوں نے اپنے سالے کی ایک چٹھی کے جواب میں جس میں ان سے امداد طلب کی گئی تھی چند بالغ نظرانہ مشورے بھیجے۔

عزیز جانسٹن!

تم نے مجھ سے ۸۰ ڈالروں کے لئے سوال کیا ہے مگر میں اس سوال کو پورا کرنا بالکل ٹھیک نہیں سمجھتا۔ پچھلے کئی موقعوں پر جب بھی میں نے تمہاری بہت مدد کی ہے تم نے مجھ سے کہا تھا۔ "اب ہمارا کام اچھی طرح چلے گا" مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں تم کو پھر اسی قسم کی مشکلات میں گرفتار پاتا ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس کا سبب تو مجھے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ تمہارے عادات واطوار یا چال چلن میں کچھ خرابی ہے۔ اب میری سمجھ میں آتا ہے کہ یہ خرابی کیا ہے۔ تم سست الوجود تو نہیں ہو اس کے باوجود تم کام نہیں کرنا چاہتے۔

میرا خیال ہے کہ جب میں نے تمہیں پچھلی بار دیکھا تھا اس وقت سے اب تک تم نے شاید ہی کبھی پورے دن کا کام کیا ہو۔ یہ بات نہیں ہے کہ تم کام کرنا نہیں چاہتے پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ تم زیادہ کام کرتے نہیں اور اس کی وجہ تمہارا یہ خیال ہے کہ تم کو اس سے زیادہ معاوضہ نہیں مل سکتا۔ ساری مشکل تو یہ ہے کہ تم کو بیکار وقت ضائع کرنے کی کچھ عادت سی ہو گئی ہے مگر یہ تمہارے لئے بہت ضروری ہے اور تمہارے بچوں کے خیال سے تو یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ تم اپنی اس عادت کو خیر باد کہہ دو، ترک دو۔ بچوں کے حق میں یہ زیادہ ضروری اس لئے ہے کہ انہیں تمہارے بمقابلہ زیادہ جینا ہے اور ان کے لئے کاہلی کی عادت سے دور رہنا اسی وقت تک ممکن ہے جب تک وہ اس میں پڑتے نہیں

اور یہ بات اس امر کے بمقابلہ زیادہ آسان ہے کہ وہ پہلے اس دائرہ میں قدم رکھیں اور بعدہٗ اس کو خیر باد کہیں۔

اب تم کو اس وقت روپے کی کوئی فوری ضرورت آپڑی ہے اس سلسلے میں میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ تم کسی ایسے شخص کا کوئی کام پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ انجام دو جو تمہیں اس کے معاوضے میں روپے دے۔ تمہارے والد اور تمہارے بچوں کو مناسب ہے کہ گھربار سنبھالیں فصل کیلئے تیاری کریں اور فصل پیدا کریں اور تم اس جگہ جا کر کام کرو جہاں زیادہ سے زیادہ مزدوری روپے کی شکل میں ملے یا پھر اپنے قرضے کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی کام کرو اور اس خیال سے کہ تمہیں اپنی محنت کا معقول معاوضہ ملے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ اور آئندہ مئی کی پہلی تاریخ کے درمیان تم کو جتنے ڈالروں کی کمائی اپنی ذاتی محنت سے نقد یا قرضے کی ادائیگی کی شکل میں ہوگی جو میں اس کے علاوہ تم کو فی ڈالر کے حساب سے ایک اور ڈالر دوں گا۔ اس طریقے سے اگر دس ڈالر ماہانہ تم اپنی محنت سے کماؤ گے تو میں اس کے علاوہ دس ڈالر اپنی جیب سے دوں گا گویا اس طرح سے تم جو کام کرو گے اس کے عوض میں تم کو ہر ماہ بیس ڈالروں کی آمدنی ہوگی میرا منشا یہ نہیں کہ تم کام کرنے کیلئے سینٹ لوئی ایسے دور دراز مقام پر جاؤ یا سیسہ کی کانوں یا کیلی فورنیا کی سونے کی کانوں میں جا کر کام کرو میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم کو کولس کاؤنٹی میں گھر کے قریب جہاں بھی زیادہ سے زیادہ مزدوری ملے وہاں کام کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا قرضہ ادا ہو جائے گا اور اس سے زیادہ فائدے کی بات تو یہ ہوگی کہ تمہاری بار بار قرض لینے کی عادت چھوٹ جائے گی لیکن اگر میں اس مرتبہ تمہارا قرضہ چکا دوں تو تم ہمیشہ کی طرح آئندہ سال پھر اسی مصیبت میں بری طرح مبتلا ہو جاؤ گے۔ تم کہتے ہو کہ اگر تم کو ۷۰ یا ۸۰ ڈالر کی آمدنی ہو جائے تو تم اس کے عوض میں جنت میں اپنی جگہ سے ہاتھ دھو لو گے مگر یہ درست نہیں۔ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ جنت میں جو تمہارا مقام ہے اس کے تم بہت سستے دام لگاتے ہو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ جو طریقہ میں نے تمہیں بتایا ہے اس سے تم کو صرف چار یا پانچ مہینے ہی کام کرنے سے ۷۰ یا ۸۰ ڈالر مل جائیں گے تم نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر میں تم کو تمہاری مطلوبہ رقم مہیا کر دوں تو تم اپنی زمین میرے پاس گروی رکھ دو گے اور اگر رقم واپس نہیں کر سکو گے تو زمین میرے حوالے کر دو گے کیسی لغو بات ہے

کتنی بیہودہ بات ہے جب تم زمین کے ہوتے اپنا گزارہ نہیں کر سکتے ہو تو جب زمین تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی اس وقت کیا ہو گا، اس وقت کیسے گذر ہو گی تم میرے ساتھ ہمیشہ مہربانی کے ساتھ پیش آتے رہے ہو اس لئے میرا کسی طرح سے بھی یہ منشا نہیں کہ میں تمہارے ساتھ نا مہربانی کے ساتھ پیش آؤں اس کے بخلاف اگر تم میرے کہنے کے مطابق عمل کرو گے تو ایسا کرنا تمہارے حق میں ۸۰ ڈالروں سے آٹھ گنا زیادہ مفید ہو گا۔

تمہارا شفیق بھائی —— اے لنکن۔

## ایک نوجوان کو مشورہ

جب لنکن کو پیشہ وکالت میں خوب کامیابی حاصل ہوئی ان کا کام بہت اچھی طرح چلنے لگا تو ان کے پاس وقتاً فوقتاً ان نوجوانوں کی عرضداشتیں آیا کرتی تھیں جو ان کے دفتر میں قانون کا مطالعہ کرنے کے لئے آنا چاہتے تھے۔ ۱۸۵۵ء میں لنکن نے ان نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو ایک نہایت معقول مشورہ دیا۔

اسپرنگ فیلڈ، ۵ نومبر ۱۸۵۵ء

بخدمت جناب ایشم ریوز

میرے مشفق کرم فرما —— میں ابھی ابھی مکان پر پہونچا اور یہاں آ کر مجھے آپ کا پچھلے ماہ کی ۲۳ تاریخ کا گرامی نامہ ملا میرا وقت زیادہ تر گھر سے باہر صرف ہوتا ہے اس لئے میرے ساتھ رہ کر قانون کا مطالعہ کرنے سے کسی نوجوان کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ اگر واقعی آپ نے قانون داں بننے کا عزم مصمم کر لیا ہے تو سمجھ لیجئے کہ آدھی منزل تو پہلے ہی طے ہو گئی۔ آپ کسی کے ساتھ رہ کر پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ تو بالکل معمولی بات ہے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ میں نے خود کسی کے ساتھ مل کر نہیں پڑھا۔ کتابیں لیجئے انہیں پڑھئے ان کا غور سے مطالعہ کیجئے یہاں تک کہ ان کے خاص خاص نکتے آپ کے ذہن نشین ہو جائیں۔ بس یہی خاص بات ہے اور اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں کہ جب آپ مطالعہ کریں اس وقت کسی بڑے شہر میں رہیں۔ میری پڑھائی تو نیوسلیم میں ہوئی جہاں کی آبادی کبھی تین سو آدمیوں سے زیادہ نہیں ہوئی۔ آپ چاہے جہاں بھی پڑھیں کتابیں وہی ہیں اور آپ کے سمجھنے کی صلاحیت بھی وہی ہے مسٹر ڈرمر ہوشیار انسان ہیں اور نہایت اعلیٰ پایہ کے قانون داں بھی ہیں (قانون دانی میں وہ مجھ سے

کہیں زیادہ اچھے ہیں) اور مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ وہ بخوشی آپ کو بتائیں گے کہ آپ کو کون کون کتابیں پڑھنا چاہئے اور وہ آپ کو کتابیں مستعار بھی دے سکتے ہیں۔

ہمیشہ یاد رکھئے کہ کامیابی حاصل کر لینے کے لئے اور ہر شے کے بمقابلہ آپ کا عزم مصمم ہی زیادہ اہم اور ضروری چیز ہے۔

آپ کا مخلص دوست — اے لنکن۔

## صدارت کے مسئلے پر ایک چٹھی

حالانکہ ۱۸۶۵ء میں لنکن کو اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی کہ انجمن واضع آئین و قوانین ان کو ریاستہائے متحدہ کی سینٹ میں سٹیفن ڈگلس کی نشست کے لئے منتخب کرے مگر سٹیفن ڈگلس کے ساتھ ان کے جو مباحثے ہوئے اور انہوں نے پبلک میں جو دوسری تقریریں کیں ان کی وجہ سے ان کی عزت میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ صدارت کے امکانی امیدوار کی حیثیت سے ان کا نام لیا جانے لگا۔ لنکن نے اس سلسلے میں ایک شخص کے نام چٹھی لکھی جو شروع شروع میں ان کا حمائتی تھا۔ اس چٹھی میں انہوں نے خود اپنی کم وقعتی کا اظہار کیا ہے۔

اسپرنگ فیلڈ۔ ۱۶ اپریل ۱۸۵۹ء

بنام جناب ٹی جے پکٹ۔

میرے مشفق محترم — آپ کا تیرہ تاریخ کا لکھا ہوا خط مجھے ابھی ابھی ملا۔ میری مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ کسی بھی جلد سے جلد تاریخ کو لکچر دینے کے لئے یا کسی اور کام کے سلسلے میں جزیرہ راک نہیں جا سکتا۔

اور جس معاملے کا آپ نے براہ کرم ذکر کیا ہے میں بہت صاف گوئی سے کام لیکر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں خود کو صدارت کے لئے اہل نہیں سمجھتا مجھے اس بات سے خوشی بھی ہوتی ہے اور اطمینان بھی حاصل ہوتا ہے کہ کچھ جانبدار دوست اس سلسلے میں میرے بارے میں سوچتے ہیں لیکن اپنے مفاد کے حق میں مجھے تو سب سے اچھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی ایسی متحدہ کوشش جو آپ نے تجویز فرمائی ہے نہیں کی جانی چاہئے۔

اس چٹھی کو خفیہ سمجھئے۔

آپ کا نہایت درجہ صادق — اے لنکن۔

# سرمایہ اور مزدوری

دسمبر ۱۸۶۱ء میں کانگرس کے نام اپنے پہلے پیغام میں لنکن نے جنگ کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے مسائل کا تجزیہ فرما کر ان پر اظہار خیال فرمایا جن کا قوم کی رفاہ و بہبود سے تعلق تھا۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ سرمائے اور مزدوری میں کیا تعلق ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔

مزدوری مقدم ہے اور سرمایہ موخر۔ مزدوری سرمایہ کی محتاج نہیں ہوتی۔ سرمایہ تو محض مزدوری کا ثمرہ ہے اور اگر پہلے مزدوری کا وجود نہ ہوتا تو سرمایہ کا وجود کبھی ممکن ہی نہ تھا۔ مزدوری کو سرمایہ پر برتری حاصل ہے۔ مزدوری سرمائے سے فائق اور افضل ہے اور اسی لئے مزدوری کا سوال زیادہ غور و خوض کا مستحق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ سرمائے کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان کی بھی حفاظت اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح اور قسم کے حقوق کی ہوتی ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مزدوری اور سرمائے کے درمیان ایک ربط ایک رشتہ ہے اور ہمیشہ رہے گا جس سے دونوں کو نفع ہوتا ہے غلطی تو اس وقت ہوتی ہے جب ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جماعت کے سارے مزدوروں کا وجود اس دائرہ ارتباط میں ہے سرمایہ تھوڑے سے آدمیوں کے پاس ہوتا ہے معدودے چند ایسے ہیں جو خود مزدوری کرنے سے بھاگتے ہیں اور اپنے سرمائے سے اپنے مقصد کے لئے یا تو معاوضہ دیکر کچھ لوگوں سے کام لیتے ہیں یا پھر ان کو خرید لیتے ہیں۔ بہت بڑی جماعت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کا ان دونوں میں سے کسی طبقے سے تعلق نہیں ہوتا نہ وہ دوسروں کے لئے کام کرتے ہیں نہ دوسروں سے خود اپنا کام لیتے ہیں جنوبی ریاستوں میں بہت زیادہ ریاستیں ایسی ہیں جن میں ہر رنگ سے تعلق رکھنے والے تمام اشخاص میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو نہ غلام ہوتے ہیں اور نہ آقا اور شمالی ریاستوں میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو نہ خود اجرت لیکر دوسروں کا کام کرتے ہیں نہ اجرت دیکر اپنا کام دوسروں سے کرواتے ہیں۔ اکثر اشخاص اپنے کنبے والوں یعنی بی بی، لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ اپنے فارموں میں، اپنے گھروں میں، اپنی دکانوں، یا خود اپنے لئے کام کرتے ہیں اور جو کچھ بھی پیداوار ہوتی ہے یا منافع ہوتا ہے وہ خود ہی لے لیتے ہیں اور نہ ایک طرف سرمائے والوں کی نوازش و عنایات کے خواستگار ہوتے ہیں نہ دوسری طرف اجرتی مزدوروں یا

غلاموں کے دست نگر ہوتے ہیں۔ ہمارے ذہن سے یہ بات فراموش نہیں ہونا چاہیے کہ زیادہ تر اشخاص ایسے بھی ہیں جو خود مزدوری بھی کرتے ہیں اور اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں یعنی خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں اور پھر یا تو اجرت دیکر دوسروں سے کام لیتے ہیں یا اس غرض سے ان کو خرید لیتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی جماعت ایک ملی جلی جماعت ہے علیحدہ جماعت نہیں ہے اس ملی جلی جماعت کی موجودگی سے اس اصول میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے لازمی طور پر ایسی کوئی صورت نہیں ہے جس میں ایک آزاد اور اجرت پر کام کرنیوالا مزدور زندگی بھر کے لئے اسی طرح کام کرتا رہے ان ریاستوں میں ہر جگہ ایسے آزاد انسان موجود ہیں جو اپنی ہی زندگی میں چند سال پیشتر خود اجرت پر کام کرتے تھے دنیا میں جس شخص کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا مگر جو دانائی سے کام لیتا ہے وہ تھوڑے دنوں اجرت پر مزدوری کرتا ہے اور اپنی آمدنی میں سے کچھ رقم بچا کر اپنے لئے آلات و اوزار یا زمین خرید لیتا ہے پھر تھوڑے دنوں وہ خود اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اور بالآخر کسی دوسرے مبتدی کو اپنی مدد کے لئے اجرت پر رکھ لیتا ہے۔ صرف یہی وہ صحیح، فراخدلانہ اور سودمند طریقہ ہے جس سے سب کے لئے کامیابی کا راستہ کھلتا ہے جس سے سب کو پہلے کامیابی کی امید بندھتی ہے اور اس کے بعد سب کو توانائی اور ترقی حاصل ہوتی ہے سب کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں کوئی بھی شخص اس قدر زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوتا جتنے وہ لوگ ہوتے ہیں جو مفلسی کی حالت میں مشقت کر کے ترقی کرتے ہیں اور کسی ایسی چیز کو نہ قبول کرتے ہیں نہ ہاتھ لگاتے ہیں جو انھوں نے ایمانداری کے ساتھ کام کر کے حاصل نہ کی ہو۔

## لنکن کی چٹھی ایک جنرل کے نام

جنگ کے ابتدائی سالوں میں لنکن کو فوجی جنرلوں کی کارگزاری سے جو مایوسی ہوئی وہ تاریخ کے وسیلے سے سب کو معلوم ہے۔ اس کی وجہ سے حکام بالا میں جو تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں ان میں سے ایک تبدیلی کے موقع پر لنکن نے ایک کمانڈر کے نام جس کی تقرری حال ہی میں ہوئی تھی ایک خط لکھا جس میں انھوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا۔

ایگزیکیوٹو مینشن۔

واشنگٹن — ۲۶ جنوری ۱۸۶۵ء

بنام میجر جنرل ہوکر۔

جنرل۔ میں نے آپ کو پوٹومیک کی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے میں نے یہ کارروائی جن خیال سے کی ہے اس میں شک نہیں کہ میرے پاس اس کے لئے کافی جواز ہے۔ بایں ہمہ میرے خیال میں اگر آپ کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ بعض باتوں میں مجھے آپ کی طرف سے کلی اطمینان نہیں ہے تو یہ آپ کے حق میں نہایت درجہ مفید ہو گا۔ میں آپ کو ایک بہادر اور ہوشیار سپاہی سمجھتا ہوں اور یہ مجھے پسند ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ اپنے منصبی کام کے ساتھ سیاسیات کو ملوث نہیں کرتے آپ کا یہ طرز عمل بھی درست ہے۔ آپ کو اپنی ذات میں اعتماد ہے اور اگرچہ یہ کوئی ایسا وصف نہیں جس کے بغیر کام ہی نہ چل سکے پھر بھی میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کے دل میں بڑی بڑی امنگیں ہیں، بڑے بڑے حوصلے ہیں یہ وصف اگر جائز حد میں رہے تو کیا کہنا اس سے نقصان کے بجائے فائدہ پہونچتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک جنرل برن سائڈ کے ہاتھوں میں فوج کی کمان رہی آپ ذاتی عزت و شہرت کے پھیر میں پڑے رہے اور آپ جنرل برن سائڈ کی کارکردگی میں رکاوٹیں ڈالتے رہے آپ کی اس حرکت سے ملک کو نقصان پہونچا اور ایک قابل تعظیم افسر کو بھی ٹھیس لگی جو آپ ہی کے ساتھ برادرانہ کام کرنے والا ایک معزز افسر تھا۔ آپ نے حال ہی میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فوج اور حکومت دونوں کو ایک ڈکٹیٹر کی ضرورت ہے۔ یہ بات میرے کانوں تک ایسے ذریعہ سے پہونچی ہے کہ مجھے اس کا یقین کرنا پڑ رہا ہے مگر یاد رکھئے میں نے یہ عہدہ آپ کو آپ کی اس گفتگو کے صلے میں نہیں دیا ہے بلکہ میں نے آپ کو آپ کے اس خیال کے باوجود کمانڈر مقرر کیا ہے صرف انہیں قوموں میں ڈکٹیٹر چننے کی صلاحیت ہوتی ہے جنہیں کامیابی پر کامیابی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے جو چیز میں آپ سے چاہتا ہوں وہ ہے جنگی کامیابی اور اس کے لئے میں ڈکٹیٹرشپ کا خطرہ مول لینے کو تیار ہوں۔ حکومت حتی الوسع آپ کی زیادہ سے زیادہ امداد کرے گی اور یہ امداد اس امداد سے کسی طرح کم یا زیادہ نہ ہوگی جو حکومت اور سب کمانڈروں کو دیتی رہی ہے یا آئندہ دیا کرے گی مجھے بڑا ڈر اس بات کا ہے کہ اپنے کمانڈروں پر نکتہ چینی کرنے اور ان پر اعتماد کے معاملہ میں دستکشی اختیار کرنے کی جو اسپرٹ آپ کی مدد سے فوجوں میں بھر دی گئی ہے کہیں

آپ خود اس کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ میں اس اسپرٹ کو دبانے میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا جب تک اس قسم کی اسپرٹ فوج میں جاری وساری رہے گی نہ آپ فوج سے کوئی کام لے سکتے ہیں اور اگر نپولین زندہ ہوتا تو وہ بھی نہیں لے سکتا تھا۔

اچھا خبردار جلد بازی کی ضرورت نہیں، خبردار اس سے کام نہیں چلنے کا۔ آپ توانائی سے کام لیں غفلت آپ کے پاس تک نہ پھٹکے بڑی ہوشیاری اور چوکسی سے کام لیں۔ آگے قدم بڑھائیے ہمیں آپ کی بدولت فتح پر فتح حاصل ہو۔

## لنکن انسان دوست کی حیثیت سے

لنکن پر صدارت کی ذمہ داریوں کا بار عظیم تھا مگر کبھی کبھی وہ ان بیچارے غریبوں کے معاملوں میں دخل دینے کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے جن کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ یہ لوگ ان کے انسان دوستی کے جذبہ کو اپنی طرف رجوع کرنے کے خواستگار تھے۔

ایگزیکیوٹو مینشن

واشنگٹن یکم مارچ ۱۸۶۴ء

بنام قابل تعظیم سکرٹری محکمہ جنگ۔

میرے مشفق ومحترم ـــــ بیرڈ نام کی ایک غریب بیوہ ہے اس کا لڑکا فوج میں ملازم ہے کسی جرم میں اس کو یہ سزا ملی ہے کہ مدت دراز تک بغیر تنخواہ یا بہت قلیل تنخواہ پر کام کرے میں اس قسم کی سزا پسند نہیں کرتا جس میں تنخواہ روک لی جاتی ہے اس سے غریب گھر والوں کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ لڑکا کئی مہینوں سے اسی طرح کام کر رہا ہے اور میں نے اس کی ماں کی آنسوؤں بھری التجا سے متاثر ہو کر ہدایت جاری کر دی تھی کہ اس لڑکے کو نئے سرے سے پھر بھرتی کر لیا جائے اور ان ہی شرطوں کے ساتھ جو دوسروں پر عائد ہوتی ہیں، یہ عورت میرے پاس پھر آئی ہے اور کہتی ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرا سکی۔ براہ کرم آپ اس کا یہ کام کر دیجئے۔

آپ کا صادق ـــــ اے لنکن۔

## لنکن کی آخری پبلک تقریر

مسٹر کالفیکس ـــــ میں چاہتا ہوں کہ آپ جن کانکنوں کے پاس جائیں ان کو میرا یہ

پیغام پہونچادیں ۔اپنی قوم کے معدنی خزانے کے متعلق میرے دل میں بڑے بڑے خیالات ہیں مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ خزانہ قریب قریب لا متناہی ہے ۔یہ معدنیات راکی پہاڑ سے لے کر بحر الکاہل تک تمام مغربی علاقہ میں بافراط پائے جاتے ہیں انسان کا نشوونما بھی مشکل سے شروع ہوا ہے جب دوران جنگ ہم روزانہ ۲۰ لاکھ ڈالر کا اضافہ اپنے قومی قرضے میں کر رہے تھے اس وقت مجھے اپنے ملک کے بیش بہا معدنیات کی پیداوار بڑھانے کا آغاز زیادہ خیال نہیں تھا ہم کو تو پہلے اپنا ملک بچانے کی فکر تھی لیکن اب جب کہ بغاوت کا خاتمہ کیا جا چکا ہے اور ہم کو اپنے قومی قرضے کی رقم کا تھوڑا بہت علم ہوا ہے جتنا بھی زیادہ سونا اور چاندی ہم کانوں سے نکالیں گے اتنا ہی اس قرضے کی ادائیگی آسان ہوتی چلی جائے گی اور اب تو میں ہر ممکن طریقے سے کان کنی کی صنعت کو فروغ دوں گا۔ ہمارے لاکھوں سپاہی جنگ سے فارغ ہو جائیں گے ۔اکثر اشخاص کو یہ اندیشہ ہے کہ جب اتنی کثیر تعداد میں یہ لوگ پلٹ کر اپنے گھر چلے جائیں گے تو صنعت و حرفت مفلوج ہو کر رہ جائے گی کیونکہ مانگ سے کہیں زیادہ تعداد میں مزدور دستیاب ہونے لگیں گے میں ان لوگوں کو اپنے پہاڑی علاقوں کی پوشیدہ دولت کی طرف کھینچ لے جاؤں گا جہاں سب کی کھپت ہو جائے گی ۔ہمارے ملک میں غیر ملکیوں کا آنا جنگ کے زمانے میں بھی نہیں رک سکا، اب تو اور بھی لاکھوں آدمی ہمارے ساحلوں پر یورپ سے آنا شروع ہو جائیں گے جہاں آبادی اس قدر زیادہ بڑھ گئی ہے میں اپنی سونے اور چاندی کی کانوں کی طرف ان کو اشارہ کروں گا جو مغرب میں ان کا انتظار کر رہی ہیں میری طرف سے کانکنوں سے کہہ دیجئے کہ میں حتی الوسع ان کے مفادوں کا تحفظ کروں گا کیونکہ ان کی فارغ البالی ہی میں قوم کی فارغ البالی ہے اور ہم چند سال کے عرصے ہی میں یہ ثابت کر دیں گے کہ دنیا بھر کی دولت ہمارے ہی پاس ہے ۔

اسپیکر کول فیکس سے بمقام واشنگٹن ڈی سی فرمایا گیا۔

۱۴ر اپریل ۱۸۶۴ء

ریمنڈ صفحہ ۶۹۴

---

# مرے کپتان اے مرے کپتان

مرے کپتان، اے مرے کپتان      قوم کی شان اے مرے کپتان
اب نہیں کوئی ہم کو خوف و خطر      ہو گیا ختم ہولناک سفر
راہ میں آئے مرحلے جتنے      جان لیوا تھے حادثے جتنے
پا چکا ہے جہاز سب پہ عبور      مشکلات سفر ہوئیں کافور
دل سے خطرہ ہر ایک جا کے رہا      گنج مقصود ہاتھ آ کے رہا
آگئی ہے قریب بندرگاہ      سامنے ہے وہ اسکی جائے پناہ
سن رہا ہوں صدائیں گھنٹوں کی      کیفیت دیدنی ہے لوگوں کی
سب پہ رنگ نشاط چھایا ہے      عالم انبساط چھایا ہے
جوش سے مرد و زن اچھلتے ہیں      جشن میں ہیں مگن اچھلتے ہیں
کام آنکھوں کا ہے مگر کچھ اور      ان سے کہتی ہے اب نظر کچھ اور
وہ جو بیڑے کی تہہ میں ہے شہتیر      اپنی مضبوطیوں سے آہن گیر
اس کی جانب نگاہ جاتی ہے      اور بے اشتباہ جاتی ہے
غرق سنجیدگی میں ہے یہ جہاز      افسرے اس کی یہ ہمت جانباز

لیکن اے دل مرے مجھے یہ بتا      تجھ کو ہوگا ضرور کچھ تو پتا
تجھ سے قطرات خون سرخ چکاں      تو لہو کی ہے ایک سیل رواں
دے مجھے اے عزیز کچھ تو نشان      ہے کہاں ہائے وہ مرا کپتان!
کیا فسردہ پڑا ہے عرشے پر      ہو کے مردہ پڑا ہے عرشے پر

مرے کپتان اے مرے کپتان      کچھ تو دے زندگی کا مجھ کو نشان
دے رہے ہیں تجھے وہ کیا آواز      اٹھ کے گھنٹوں کی سن ذرا آواز
غرق پرچم ہے اس قدر غم میں      سر پٹکتا ہے تیرے ماتم میں
تیرے ماتم کا اک یہ شور یہ غل      نالہ زن تیری یاد میں ہے بگل

لوگ گلدستے ہار لاتے ہیں
نذر کو اپنا پیار لائے ہیں!

سر پٹکتی ہے موج دامن گیر
ساحلوں پر ہے اژدہام کثیر

سوز سے ساز تجھ کو دیتے ہیں
لوگ آواز تجھ کو دیتے ہیں

بھیڑ ان کی چلی ہی آتی ہے
بے دلی سب پہ چھائی جاتی ہے

کتنے بے حال ہیں پریشاں ہیں
سب تجھے دیکھنے کے خواہاں ہیں

ذکر کیا غیر کا یگانے کا
رخ تری سمت ہے زمانے کا

اے مرے باپ اے مرے کپتان
اے مرے جسم پاک میری جان

سر کے نیچے جو ہاتھ رکھا ہے
کتنی حسرت کے ساتھ رکھا ہے

تجھ کو نایاب دیکھتا ہوں میں
کیا کوئی خواب دیکھتا ہوں میں؟

حال تیرا یہ کیا ہے عرشے پر
جسم ٹھنڈا پڑا ہے عرشے پر

کیا بدن ہے یہ جس میں جان نہیں
زندگی کا کوئی نشان نہیں

مرا کپتان بولتا ہی نہیں
لب گفتار کھولتا ہی نہیں

بااثر اب مرا خطاب نہیں!
کچھ مری بات کا جواب نہیں

کتنی زردی لبوں پہ چھائی ہے
کیا قیامت اجل نے ڈھائی ہے

قید باب سخن پہ رکھی ہے
مہر گویا دہن پہ رکھی ہے

کیا ہوئی باپ کی محبت آہ
اب کہاں وہ نگاہ شفقت آہ

سر کے نیچے جو ہاتھ رکھتا ہوں
خاص جذبے کے ساتھ رکھتا ہوں

باپ کو اس کی کچھ خبر ہی نہیں
مری جانب وہ اب نظر ہی نہیں

منہ محبت نے موڑ رکھا ہے
ساتھ نبضوں نے چھوڑ رکھا ہے

عزم ہے آرزو نہ ہے کوئی
شوق ہے جستجو نہ ہے کوئی!

یہی منشائے کارساز ہے اب
لنگر انداختہ جہاز ہے اب

دور اس سے ہر اک مصیبت ہے
اب یہ محفوظ ہے سلامت ہے

کیا ہوا اب مطمح نظر اس کا
ختم آخر ہوا سفر اس کا!

گو سفر تھا یہ ہولناک بہت — اس سے دامانِ دل تھا چاک بہت
پھر بھی یہ عزم میں بلند جہاز — یہ مظفر یہ فتح مند جہاز
نصرتیں اپنے ساتھ لایا ہے — اور بندر پہ واپس آیا ہے
ساحلِ باغ باغ ہو جاؤ — مے گسارِ فراغ ہو جاؤ
تم بھی ٹن ٹن کی دو صدا گھنٹو — ہے یہی وقت کی نوا گھنٹو
میں مگر اپنے اشک و آہ کے ساتھ — ایک حسرت بھری نگاہ کے ساتھ
رفتہ رفتہ قدم اٹھاتا ہوں — اسی عرشے کی سمت جاتا ہوں

سرد افسردہ بے عمل بے جان
جس پہ لیٹا ہے اب مرا کپتان

والٹ وہٹ مین ۔ ۱۵ اپریل ۱۸۶۵ء
(قتلِ لنکن کے موقع پر)

(مترجمہ منور لکھنوی)

# ضمیمہ

## لنکن کی زندگی کے تاریخ وار واقعات

| | |
|---|---|
| ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء | پیدائش بمقام ہاڈگن ولے واقع کنٹکی۔ |
| نومبر ۱۸۱۶ء | والدین کے ساتھ انڈیانا کو روانگی۔ |
| ۵ اکتوبر ۱۸۱۸ء | ماں کا انتقال |
| مارچ ۱۸۳۰ء | گھر والوں کے ساتھ الی نوائس کو روانگی۔ |
| ۹ مارچ ۱۸۳۱ء | پہلی سیاسی تقریر فرمائی۔ |
| ۹ مارچ ۱۸۳۲ء | انجمن واضع آئین و قوانین کے لئے امیدواری کا اعلان |
| ۲۱ اپریل ۱۸۳۲ء | جنگ بلیک ہاک میں شرکت کے لئے ریاست ہائے متحدہ کی فوج میں داخلہ۔ |
| ۱۶ جولائی ۱۸۳۲ء | جنگی ملازمت سے علیحدگی |
| ۶ اگست ۱۸۳۲ء | انجمن واضع آئین و قوانین کے انتخاب میں شکست۔ |
| ۷ مئی ۱۸۳۳ء | نیوسلیم میں پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے تعیناتی۔ |
| ۱۴ جنوری ۱۸۳۴ء | الی نوائس کی سنگامن کاؤنٹی کے نائب حاکم پیمائش کی حیثیت سے اپنی پہلی رپورٹ پیش کی جس کا ابھی تک علم حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ |
| ۴ اگست ۱۸۳۴ء | انجمن واضع آئین و قوانین کے انتخاب میں کامیابی۔ |
| یکم اگست ۱۸۳۶ء | دوسری مدت کے لئے انجمن واضع آئین و قوانین میں ایک بار پھر انتخاب۔ |
| ۹ ستمبر ۱۸۳۶ء | وکالت کے لئے اجازت نامہ حاصل کیا۔ |
| یکم مارچ ۱۸۳۷ء | الی نوائس کے بار میں داخلہ۔ |
| ۳ مارچ ۱۸۳۷ء | غلامی کے بارے میں قانون ساز انجمن کی کارروائی کے خلاف تحریری احتجاج۔ |
| ۱۵ مارچ ۱۸۳۷ء | نیوسلیم سے اسپرنگ فیلڈ کو منتقل ہونا۔ |

۱۲ اپریل ۱۸۳۷ء پیشہ قانون میں جان ٹی اسٹوارٹ کے ساتھ شرکت۔
یکم اگست ۱۸۳۸ء تیسری بار انجمن واضع آئین وقوانین کے لئے انتخاب۔
۲ دسمبر ۱۸۳۹ء ریاستہائے متحدہ کی سرکٹ کورٹ میں وکالت کرنے کی اجازت۔
۱۸ جون ۱۸۴۰ء الی نوائس کی عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) میں اسکیمن بخلاف کلائن کے مقدمے میں مدعاعلیہ کی طرف سے پہلی مرتبہ بحث کی۔
یکم اگست ۱۸۴۰ء چوتھی مرتبہ انجمن واضع آئین وقوانین کے لئے انتخاب۔
۱۴ مئی ۱۸۴۱ء پیشہ قانون میں اسٹفن ٹی لوگن کے ساتھ شارکت۔
۴ نومبر ۱۸۴۲ء لگزنٹن واقع کنٹکی کی میری ٹاڈ کے ساتھ شادی۔

۷ جنوری ۱۸۴۴ء اسپرنگ فیلڈ میں مکان خریدا۔
۲۰ ستمبر ۱۸۴۴ء پیشہ قانون میں ولیم ایچ ہرنڈن کے ساتھ شارکت۔
۱۰ مارچ ۱۸۴۶ء دوسرے فرزند ایڈورڈ بیکر لنکن کی پیدائش۔
یکم مئی ۱۸۴۶ء کانگرس کے لئے وہگ پارٹی کے نمائندے کی حیثیت سے نامزدگی۔
۳ اگست ۱۸۴۶ء کانگرس کے لئے منتخب ہوئے۔
۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کانگرس میں نشست اختیار کی۔
۲۲ دسمبر ۱۸۴۷ء کانگرس میں بروقت تجاویز کا طریقہ جاری کیا۔
۲۰ جون ۱۸۴۸ء کانگرس میں عہدۂ صدارت کے لئے جنرل ٹیلر کی قابلیتوں پر اظہار خیال۔
۲۷ جولائی ۱۸۴۸ء کانگرس کے عہدۂ صدارت کے لئے جنرل ٹیلر کی خوبیوں پر تقریر۔
۱۰ جنوری ۱۸۴۹ء ضلع کولمبیا کے غلاموں کی نجات کے لئے تجویز پیش کی۔
۷ مارچ ۱۸۴۹ء ریاستہائے متحدہ کی سپریم کورٹ میں وکالت کرنے کی اجازت
۳۰ مئی ۱۸۴۹ء کشتی اٹھانے کی مشین کا اجازت نامہ دیا۔
۱۲ ستمبر ۱۸۴۹ء انقلاب ہنگری کے سلسلے میں ہمدردی کی تجویز کا مسودہ تیار کیا
یکم فروری ۱۸۵۰ء دوسرے فرزند ایڈورڈ بیکر لنکن نے وفات پائی۔

۲۱ دسمبر ۱۸۵۰ء تیسرے فرزند ولیم ولیس لنکن کی پیدائش۔

۱۷ جنوری ۱۸۵۱ء باپ کا انتقال۔

۹ جنوری ۱۸۵۲ء ملک ہنگری کی آزادی کے حق میں تجویزیں پیش کیں۔

۴ اپریل ۱۸۵۳ء چوتھے فرزند تھامس (ٹاڈ) لنکن کی پیدائش۔

۴ ستمبر ۱۸۵۴ء ریاستہائے متحدہ کی آئین ساز انجمن کے امیدواری کا اعلان۔

۱۶ اکتوبر ۱۸۵۴ء صلحنامہ مسوری کے استرداد پر تقریر بمقام پیوریا۔

۷ نومبر ۱۸۵۴ء الی نوائس کی آئین ساز انجمن کے لئے انتخاب۔

۲۷ نومبر ۱۸۵۴ء جنرل اسمبلی میں عہدہ نمائندگی کی منظوری سے انکار کرنیکے سلسلے میں اطلاع نامے کا داخلہ۔

۸ فروری ۱۸۵۵ء انجمن آئین ساز کے ووٹ سے ریاستہائے متحدہ کے سینٹر کی جگہ کیلئے مقابلے میں شکست۔

۲۹ مئی ۱۸۵۶ء بلومنگٹن کی گم شدہ تقریر۔

۱۹ جون ۱۸۵۶ء فری منٹ ٹکٹ پر نائب صدر کے عہدے کیلئے کوشش سے ۱۱۰ ووٹوں کا حاصل ہونا۔

۲۶ جون ۱۸۵۷ء ڈریڈ اسکاٹ فیصلے پر تقریر بمقام اسپرنگ فیلڈ۔

۱۶ جون ۱۸۵۸ء ایوان منقسمہ پر تقریر بمقام اسپرنگ فیلڈ۔

۲۱ اگست ۱۸۵۸ء بمقام اوٹاوہ ڈگلس سے پہلا مباحثہ

۲۷ اگست ۱۸۵۸ء دوسرا مباحثہ بمقام فری پورٹ۔

۱۵ ستمبر ۱۸۵۸ء تیسرا مباحثہ بمقام جون شور۔

۱۸ ستمبر ۱۸۵۸ء چوتھا مباحثہ بمقام چارلسٹن۔

۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء پانچواں مباحثہ بمقام گیلس برگ

۱۳ اکتوبر ۱۸۵۸ء چھٹا مباحثہ بمقام کوئنسی۔

۱۵ اکتوبر ۱۸۵۸ء ساتواں اور آخری مباحثہ بمقام آلٹن۔

۲ نومبر ۱۸۵۸ء ریاستہائے متحدہ کی سینٹ کے لئے ڈگلس کے ہاتھوں شکست۔

۵ نومبر ۱۸۵۸ء اخباروں میں پہلی مرتبہ انتخاب بحیثیت صدر کی تجویز کا تذکرہ۔

۲۷ فروری ۱۸۶۰ء نیویارک کے کوپر انسٹی ٹیوٹ میں خطبہ ارشاد فرمایا۔

۹ مئی ۱۸۶۰ء الی نوائس ری پبلکن کنونشن کی طرف سے عہدہ صدارت کیلئے امیدوار منتخب ہوئے۔
۱۸ مئی ۱۸۶۰ء عہدہ صدارت کے لئے نامزدگی۔
۶ نومبر ۱۸۶۰ء ریاستہائے متحدہ کے صدر منتخب ہوئے۔
۲۲ دسمبر ۱۸۶۰ء آئین کی دفعہ بابت "مفرور غلام" کے بارے میں یادداشت تحریر فرمائی۔
۱۱ فروری ۱۸۶۱ء اسپرنگ فیلڈ میں رخصتی تقریر فرمائی۔
۲۲ فروری ۱۸۶۱ء انڈی پنڈنس ہال فلڈ لفیا میں جھنڈا بلند کیا۔
۲۳ فروری ۱۸۶۱ء واشنگٹن میں تشریف آوری۔
۴ مارچ ۱۸۶۱ء صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔
۲۹ مارچ ۱۸۶۱ء فورٹ سمیٹر کے بچانے کا حکم صادر کیا۔
۱۳ اپریل ۱۸۶۱ء فورٹ سمیٹر ہاتھ سے نکل گیا۔
۱۵ اپریل ۱۸۶۱ء پچھتر ہزار والنٹیروں کی طلبی۔
۱۹ اپریل ۱۸۶۱ء ناکہ بندی کا اعلان۔
۲۷ اپریل ۱۸۶۱ء ناکہ بندی کی توسیع۔ ورجینیا اور شمالی کیرولنا کے قلعوں کی بندش۔
۳ مئی ۱۸۶۱ء ۴۴۰۳۴ والنٹیروں کی طلبی۔
۱۰ مئی ۱۸۶۱ء مارشل لا (فوجی قانون) کا اعلان۔
۴ جولائی ۱۸۶۱ء کانگرس کے نام پہلا پیغام
۲۲ جولائی ۱۸۶۱ء کانگرس کی طرف سے اختیارات جنگ کی تفویض۔
۸ اگست ۱۸۶۱ء یوم روزہ (برت) کا اعلان۔
۲ ستمبر ۱۸۶۱ء غلاموں کی نجات کے سلسلے میں اعلان کی منسوخی پر جنرل فری مونٹ کے نام مراسلہ۔
یکم نومبر ۱۸۶۱ء میکلیلین کو یونین کی افواج کا کمانڈر مقرر کیا۔
۳ دسمبر ۱۸۶۱ء کانگرس کے نام پہلا سالانہ پیغام۔
۲۷ جنوری ۱۸۶۲ء جنرل وار آرڈر (حکم نامہ جنگ) نمبر ا جاری کیا گیا۔
۲۰ فروری ۱۸۶۲ء تیسرے فرزند ولیم ویلیس لنکن کی وفات۔

۱۷ مارچ ۱۸۶۲ء غلاموں کی بالمعاوضہ نجات کے لئے کانگرس سے سفارش۔
۱۰ اپریل ۱۸۶۲ء پہلے یوم سپاس کا اعلان۔
۱۶ اپریل ۱۸۶۲ء ضلع کولمبیا میں غلاموں کی نجات کے سلسلے میں منظور شدہ قانون پر دستخط۔
یکم جولائی ۱۸۶۲ء تیس ہزار والنٹیروں کی طلبی۔
۲ جولائی ۱۸۶۲ء مارل لینڈ گرینٹ کالج کے مسودے پر دستخط۔
۱۹ اگست ۱۸۶۲ء ہوریس گریلے کے اداریہ کا جواب۔
۲۲ ستمبر ۱۸۶۲ء غلاموں کی نجات کا ابتدائی اعلان جاری کیا۔
۳۰ ستمبر ۱۸۶۲ء رضائے خداوندی پر ایک مقالہ تحریر فرمایا۔
یکم اکتوبر ۱۸۶۲ء انٹی ٹام کے میدان جنگ کا معائنہ کیا۔
۵ نومبر ۱۸۶۲ء میکلیلین کو فوجی کمان سے علحدہ کر دیا۔
یکم دسمبر ۱۸۶۲ء دوسرا سالانہ اعلان۔
یکم جنوری ۱۸۶۳ء غلاموں کی نجات کا اعلان جاری کیا۔
۲۶ جنوری ۱۸۶۳ء جنرل ہوکر کے نام مشہور زمانہ خط لکھا۔
۲۰ اپریل ۱۸۶۳ء یونین میں مغربی ورجینیا کی شمولیت کا اعلان جاری کیا۔
۳ اکتوبر ۱۸۶۳ء پہلے سالانہ یوم سپاس کا اعلان جاری کیا۔
۱۹ نومبر ۱۸۶۳ء گیٹسبرگ کا خطبہ ارشاد فرمایا۔
۸ دسمبر ۱۸۶۳ء عام معافی نیز تعمیر نو کا اعلان۔
۸ دسمبر ۱۸۶۳ء تیسرا سالانہ پیغام۔
۱۰ مارچ ۱۸۶۴ء افواج متحدہ کی کمان گرانٹ کے سپرد کی۔
۳۱ مئی ۱۸۶۴ء لنکن کے مخالف ری پبلکنوں نے صدارت کے لئے فری مونٹ کو نامزد کیا۔
۸ جون ۱۸۶۴ء صدارت کے لئے دوبارہ نامزدگی ہوئی۔
۷ جولائی ۱۸۶۴ء یوم دعا کا اعلان کیا
۱۸ جولائی ۱۸۶۴ء پانچ لاکھ والنٹیرں کی طلبی۔

۱۷ اگست ۱۸۶۴ء ہماری "آزاد حکومت" کے موضوع پر ۱۶۴ ویں اوہیو رجمنٹ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔
۳۱ اکتوبر ۱۸۶۴ء یونین میں نواڈا کے داخلے کا اعلان جاری کیا۔
۸ نومبر ۱۸۶۴ء دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔
۲۱ نومبر ۱۸۶۴ء مسز بکسبی کے نام تعزیتی خط تحریر فرمایا۔
۶ دسمبر ۱۸۶۴ء چوتھا سالانہ پیغام۔
۲۰ دسمبر ۱۸۶۴ء نیوجرسی (پرنسٹن) کی طرف سے ایل ایل ڈی کی ڈگری کی پیش کش۔
۳ فروری ۱۸۶۵ء کنفیڈریسی کے ایلچیوں کو ملاقات کا شرف بخشا۔
۴ مارچ ۱۸۶۵ء ایک بار پھر اور صدارت کا فخر حاصل ہوا۔
۱۱ مارچ ۱۸۶۵ء اعلان جاری کیا جس میں جنگ سے بھاگنے والوں کو معافی بخشی۔
۲۳ مارچ ۱۸۶۵ء گرانٹ کی فوج کا معائنہ کیا۔
۳ اپریل ۱۸۶۵ء رچمانڈ کے ہاتھ سے نکل جانے کا اعلان۔
۴ اپریل ۱۸۶۵ء رچمانڈ کو تشریف بری۔
۹ اپریل ۱۸۶۵ء لی کی اطاعت کا اعلان۔
۱۱ اپریل ۱۸۶۵ء واشنگٹن میں آخری پبلک تقریر
۱۴ اپریل ۱۸۶۵ء بوتھ کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بنے۔
۱۵ اپریل ۱۸۶۵ء واشنگٹن میں رحلت فرمائی۔
۴ مئی ۱۸۶۵ء اسپرنگ فیلڈ واقع الی نوائس کے قبرستان اوک ریج سمرٹی میں دفن کئے گئے۔

---

# فہرست حوالہ جات


۱۔ لنکن ابراہم (حالات زندگی اور تصانیف)
مرتبہ: فلپ وان ڈورین اسٹرن۔
رینڈم ہاؤس ۱۹۴۲ء ۳/۷۵ صفحے ۸۶۳

۲۔ لنکن ابراہم (زندہ جاوید لنکن بحیثیت انسان، ان کا دماغ، ان کا زمانہ، وہ لڑائیاں جو انہوں نے لڑیں۔ خود لنکن کے نوشتہ جات سے ازسرنو تیار کردہ۔
مُرتّبہ: پال ایم اینگل اور ارل شنک مائرز۔
رٹگرز یونیورسٹی ۱۹۵۵ ۷ر۵۰ صفحے ۶۷۵

۳۔ اگر ہربرٹ۔
ابراہم لنکن۔
میکملن ۱۹۵۲ ۱ر۹۵ صفحے ۱۴۳

۴۔ اینگلے پال میکلی لینڈ مرتب لنکن ریڈر پاکٹ بکس (جیبی کتابیں)
۱۹۵۵ ر۵۰ صفحے ۶۲۶

۵۔ کینیبی کورٹ لینڈٹ مرتب لنکن اینڈ سول وار (لنکن اور خانہ جنگی)
ڈیل ۱۹۵۸ ر۵۰ صفحے ۴۱۶

۶۔ چارن وڈ گاڈفرے ریتھ بون بنسن
ابراہم لنکن پاکٹ بکس (جیبی کتابیں)
۱۹۵۲ ر۳۵ صفحے ۵۰۱
(اس کا ترجمہ بزبان ہندی پرل پبلی کیشنز۔ بمبئی نے شائع کیا ہے)

۷۔ ہرنڈن۔ ولیم ہنری اینڈ ویک، جیسی ولیم ہرنڈن کی لائف آف لنکن۔ (ابراہم لنکن کی تواریخ اور ذاتی یادداشتیں)
ورلڈ ۱۹۴۹ء ۱ر۶۵ صفحے ۵۱۱

۸۔ لورنٹ اسٹیفن۔ لائف آف ابراہم لنکن۔ ایک مختصر اور مصوّر سوانحعمری
نیو امریکن لائبریری ۱۹۵۵ ر۵۰ صفحے ۲۲۶

۹۔ لڈوگ ایمل۔ ابراہم لنکن ہمارے شہید صدر کے مکمل حالات زندگی۔
ترجمہ از: ایڈن وسیڈر پال
لورائٹ ۱۹۴۹ ۳ر۵۰ صفحے ۵۰۵
(دوورا اینڈ کمپنی بمبئی نے ہندی میں ایک خلاصہ چھاپا ہے۔

۱۰۔ سینڈبرگ کارل۔
ابراہم لنکن زمانہ سیر و سیاحت اور زمانہ جنگ۔
ہارکورٹ ۱۹۵۴ ۷٫۵۰ صفحے ۷۶۲

۱۱۔ سینڈبرگ کارل۔
ابراہم لنکن زمانہ سیر و سیاحت، مصّور، عکسی تصویروں، متعدد کارٹونوں، خاکوں
نقشوں اور خطوں سے مُرتّب کردہ مختصر ایڈیشن۔
ہارکورٹ ۱۹۲۹ ۴٫۹۵ صفحے ۶۰۴

۱۲۔ سینڈبرگ کارل۔
لنکن گروزاپ۔ موصوف کی تصنیف۔ ابراہم لنکن تیز پریری اینڈ۔
(زمانہ سیر و سیاحت) کا طبع ثانی۔
ہارکورٹ ۱۹۲۸ ۳٫۲۵ صفحے ۲۲۲

۱۳ ٹامس بنجمن پلیٹ۔
ابراہم لنکن۔ ایک سوانحعمری۔
ناپف ۱۹۵۲ ۵٫۷۵ صفحے ۵۴۸

۱۴۔ نونزِ ایلن (خانہ جنگی کا تدبر)
میکملن ۱۹۵۲ ۲٫۲۵ صفحے ۸۲

۱۵۔ بشپ جیمز الونزو۔ (جس روز لنکن مارے گئے)
ہینٹم ۱۹۵۶ء ۰٫۵۰ صفحے ۳۰۵

۱۶۔ شرووڈ رابرٹ ایمٹ (ابراہم لنکن الی نوائس میں)
۱۲ عدد منظروں پر مشتمل ایک ناٹک۔
سکربنر ۱۹۵۹ ۳٫۰۰ صفحے ۲۵۰

۱۷۔ اسٹون اردنگ۔
محبت کبھی نہیں مرتی۔ میری ٹاڈ لنکن اور ابراہم لنکن کے متعلق ایک ناٹک

ڈبل ڈے ۱۹۵۴    ۲٫۹۵    صفحے ۴۶۸

(ترجمہ بزبان ہندی پرل پبلی کیشنز بمبئی نے شائع کیا ہے)

۱۸۔ فوسٹر جنی ویو اسٹمپ۔

ابراہم لنکن۔ ایک ابتدائی سوانح عمری۔

اسکربنر ۱۹۵۰    ۲٫۵۰    صفحے ۱۱۱

(رحانی پرکاشن گرہ الہ آباد سے اس کا ترجمہ ہندی میں چھپا ہے)

۱۹۔ فوسٹر جنی ویو اسٹمپ۔

ابراہم لنکنس ورلڈ

اسکربنر ۱۹۴۴    ۴٫۵۰    صفحے ۳۴۷

۲۰۔ نارتھ۔ اسٹرلنگ

(ابراہم لنکن جھونپڑی سے وہائٹ ہاؤس تک)

رینڈم ۱۹۵۶ء    ۱٫۹۵    صفحے ۱۸۴

(ترجمہ بزبان ہندی مطبوعہ راجپال اینڈ سنز دہلی)

(ترجمہ بزبان اردو مطبوعہ انڈین اکاڈمی نئی دہلی)